اسلاف کرام کے نزدیک

سنت نبویہ کی حفاظت کے پندرہ وسیلے

تالیف:

ابو ہمام محمد بن علی الصومعی البیضانی

ترجمہ:

سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من سار على نهجهم واقتفى أثرهم إلى يوم الدين.

أما بعد:

گمراہی اور شک کے دلدل میں پھنسے وہ لوگ جن کو اللہ نے حق سے بے بصیرت اور راہ ہدایت سے گمراہ کر دیا- جب ان کے دل سید المرسلین-صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحابتہ أجمعین-کی سنت سے تنگ پڑ گئے-تو انہوں نے احادیث نبویہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کر دیا، چنانچہ احادیث کو جمع کرنے کے لیے جو سب سے صحیح کتاب تالیف کی گئی، اس پر انہوں نے تہمت کے نشتر برسائے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ امت اسلامیہ کے نزدیک اس کا بڑا مقام و مرتبہ ہے اور اس کے تعلق سے ان کا اجماع ہے کہ وہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے، سوائے ان چند احادیث کے جن پر بعض علماء نے نقد کیا ہے، ان کے اس طعن و تشنیع کا مقصد یہ تھا کہ اس کتاب کی شبیہ خراب کی جائے اور اس کا مقام گھٹا دیا جائے تا کہ اس کے بعد حدیث کی دیگر کتابوں کو نشانہ بنانا ان کے لیے آسان ہو جائے، ناممکن ہے کہ ان کا یہ مقصد پورا ہو جائے، کیوں کہ ہمارے عزیز و برتر پروردگار نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے، اللہ تعالی اپنی معزز کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ [الحجر:9]

ترجمہ: ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ کی سنت دینِ اسلام کا حصہ ہے، کیوں کہ وہ وحی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ﴾ [النجم:3]

﴿ إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى ﴾ [النجم:4]

ترجمہ: وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

نیز فرمان باری تعالی ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ وَلاَ يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاء إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴾ [الأنبياء:45]

ترجمہ: کہہ دیجئے! میں تو تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعہ آگاہ کر رہا ہوں، مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب کہ انہیں آگاہ کیا جائے گا۔

امام ابو محمد بن حزم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کی ساری باتیں وحی ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وحی ذکر ہے، اور قرآنی آیت کے مطابق ذکر محفوظ ہے، لہذا یہ درست ہے کہ آپ ﷺ کی تمام باتوں کو اللہ عزیز وبرتر نے محفوظ فرمایا ہے، یہ ہمارے لیے اس بات کی ضمانت ہے کہ آپ کی احادیث کا ادنی ترین حصہ بھی ضائع نہیں ہو سکتا، بلکہ آپ کی ساری احادیث ہم تک منتقل ہو چکی ہیں"[1]۔

(1) "الإحکام في أصول الأحکام" (۱/۹۸)، ناشر: "مطبعۃ النضہۃ"، قاہرۃ، تصحیح: احمد محمد شاکر

تعجب خیز بات یہ ہے کہ سنت نبویہ میں طعن و تشنیع کرنے والوں نے کسی بھی حدیث پر علمِ حدیث کے اصول و قواعد کی روشنی میں تنقید نہیں کی ہے، بایں طور کہ جس حدیث کو انہوں نے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، اس کی کوئی ایسی علت ذکر کرتے جو متقدمین علمائے حدیث سے مخفی رہ گئی ہو، چنانچہ کوئی موقوف حدیث ان کی تحقیق سے مرفوع ثابت ہوئی ہو، یا کوئی مرسل حدیث ان کی بحث و جستجو کے بعد موصول قرار پائی ہو، اور اس طرح کے دیگر ان اصول وضوابط (کو انہوں نے پیش نظر رکھا ہو) جو اہل فن کے نزدیک مشہور و معروف ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان کے طعن و تشنیع کا محور نفسانی خواہشات ہیں، جو شخص ہوائے نفس کی بنیاد پر سنت نبویہ پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائے وہ راہ مستقیم سے گمراہ ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ [ص:26]

ترجمہ: اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

نیز فرمان باری تعالی ہے:

﴿ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾ [الجاثية:23]

ترجمہ: کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟

اللہ عزیز و برتر نے سچ فرمایا کہ:

﴿ فَإِنَّهَا لاَ تَعْمَى الأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُور ﴾ [الحج:46]

ترجمہ: بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

میں نے سنت نبویہ میں طعن و تشنیع کرنے والوں کے آخری گروہ، جن کے دلوں کو اللہ نے حق کو پہچاننے سے اندھا کر دیا ہے -اور وہ نہایت جاہل و نااہل لوگ ہیں- کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: " صحیح بخاری اور قرآن کریم کے درمیان تعارض اور ٹکراؤ ہے "، مجھے نہیں پتہ کہ تعارض اور ٹکراؤ سے ان کی مراد کیا ہے؟ نیز اس طرح کا جاہل و نادان انسان اس تعارض کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟! اگر اس کے پاس ایسا کوئی علم ہے تو ہمارے سامنے اس تعارض کو پیش کیوں نہیں کرتا! دراصل یہ نفسانی خواہش اور سنت نبویہ سے حقد و حسد کا نتیجہ ہے جس نے انہیں حق کو پہچاننے سے بے بصیرت کر دیا ہے۔

مؤلف: جب میں نے دیکھا کہ یہ خبطی گروہ اپنی نادانی کا مظاہرہ کر رہا ہے -اور حالات ایسے ہیں کہ علم و دانش سے بے بہرہ لوگ ان کی باتوں کو سچ بھی مان سکتے ہیں- تو میں نے یہ عزم وارادہ کیا کہ ایسے چند وسائل کو معرض تحریر میں لاؤں جن کو اختیار کر کے ہمارے اسلاف کرام رحمہم اللہ سنت نبویہ کی حفاظت کیا کرتے تھے، تاکہ ان وسائل کو جان کر اپنے دین کے تئیں غیرت رکھنے والا مسلمان یہ سمجھ سکے کہ نبی ﷺ کی جو صحیح احادیث ہم تک پہنچی ہیں، ان احادیث کے اسانید اور رواۃ کے تعلق سے ہمارے اسلاف کرام اور علمائے عظام کی تحقیق و جستجو اور بحث و تمحیص کے بعد ہی وہ حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں، یہ جاننے کے بعد اس کے اندر ان احادیث کی صحت کا یقین بڑھ جائے گا، ان پر عمل کرنے کے تئیں اس کے دل میں مزید اطمینان پیدا ہوگا، نیز وہ اس بات سے بھی واقف ہو جائے گا کہ سنت نبویہ میں طعن و تشنیع کرنے والوں کا طریقہ غلط ہے اور وہ جاہل و نادان ہیں جن کی طرف نظر التفات کرنا اور ان کی بیہودہ اور بے بنیاد باتوں پر کان دھرنا عبث اور بے کار ہے، یہ تو ان

لوگوں کی بات ہوئی جو ان کے شبہات کے جال میں پھنسنے سے پہلے ہی حقیقت سے آگاہ ہو جاتے ہیں، لیکن جو شخص ان کے دام فریب میں آگیا ہو اس کے لئے نجات کی راہ یہی ہے کہ اس کے دل میں جن شبہات نے جگہ بنالیا ہو، ان کے تعلق سے علمائے کرام سے سوال کریں، تاکہ وہ اس کے سامنے حق واضح کر سکیں اور اس کے دل سے باطل دور ہو سکے، توفیق یافتہ وہی ہے جسے اللہ اپنی توفیق سے نوازے۔

غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنانِ سنت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جن کا کوئی دین ومذہب نہیں، بلکہ وہ ملحد اور حق سے بے راہ ہیں۔

دوسری قسم: جو دنیاوی مفاد اور ذاتی مصلحت کی خاطر ان ملحد اور گمراہ لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔

تیسری قسم: جو دشمنانِ سنت کے شبہات سے متاثر ہوگئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ وہی حق پر ہیں، چنانچہ گمراہ ہوگئے۔

عجِبتُ لمبتاع الضلالة بالهدى   وللمشتري دنياه بالدين أعجب

وأعجب من هذين من باع دينه   بدنيا سواه فهو في ذين أخيب

ترجمہ: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتا ہے، اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو دین بیچ کر دنیا خریدتا ہے۔ ان دونوں سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے جو دوسرے کی دنیا بنانے کے لئے اپنا دین بیچ دیتا ہے، یقینا یہ ان دونوں سے بھی زیادہ ناکام ونامراد ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں گمراہی سے محفوظ رکھے، گمراہ کے شکار مسلمانوں کو راہ حق کی رہنمائی فرمائے، ہمارے بیٹے اور بیٹیوں کو فاجروں اور بدکاروں کے شبہات سے محفوظ رکھے، انہیں دین کی بصیرت عطا کرے، دشمنانِ سنت کی سازشوں کو خود ان کے ہی سینے میں لوٹا دے، انہیں ہلاک ورسوا کرے، ان کے درمیان دشمنی پیدا کر دے اور ان کی تدبیر کو خود ان کی تباہی کا پیش خیمہ بنادے، یقینا اللہ تعالی اس کا اہل اور اس پر قادر ہے۔

میں نے اس کتاب کو جس نام سے موسوم کیا ہے، وہ ہے: "اسلاف کرام کے نزدیک سنت نبویہ کی حفاظت کے پندرہ وسیلے"[(2)]۔

کتاب کے اخیر میں بطور ضمیمہ " صحیح بخاری "کا مختصر تعارف داخل کر دیا ہے۔

والحمد لله رب العالمين

از قلم:

أبو همام محمد بن علي الصومعي البيضاني

عفا الله عنه بمنه وكرمه وإحسانه

۸/۴/۱۴۴۲ھ

---

(2) سنت نبویہ کی حفاظت کے باب میں یہ وسائل سب سے اہم اور نمایاں ترین مقام رکھتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے وسائل ہیں (جن کو اس کتاب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے)، میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ان وسائل کو آسان اسلوب میں پیش کیا جائے تاکہ قاری کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

قرآن مجید کو سنت نبویہ سے متصادم ٹھہرانے والوں کے تئیں اسلاف کا رویہ

یعلی بن حکیم سے مروی ہے کہ سعید[3] بن جبیر نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کی، اس کو سننے کے بعد مکہ کے ایک شخص نے کہا: اللہ تعالی اپنی کتاب میں ایسا اور ایسا فرماتا ہے، اس پر حضرت سعید بن جبیر سخت غصہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم کتاب اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے متصادم ٹھہراتے ہو، جب کہ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کے جانکار تھے "[4]۔

اسلاف کرام رحمہ اللہ تعالی اسی طرح محض رائے کی بنیاد پر قرآن کو حدیث سے متصادم نہیں ٹھہراتے تھے، اور (کسی آیت کو اس وقت تک متعارض نہیں مانتے جب تک کہ کسی دوسری آیت سے اس کا تصادم ثابت نہ ہو جاتا جو اس کی تفسیر کرتی یا اسے منسوخ قرار دیتی، یا نبی ﷺ کی کسی حدیث سے یہ تصادم ثابت ہوتا جو اس کی تشریح کرتی، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث قرآن کی وضاحت کرتی، اس کے معانی پر دلالت کرتی اور (دوسرے الفاظ میں) اس کی تعبیر بیان کرتی ہے)[5]۔ عصر حاضر میں دشمنانِ سنت کی روش یہ ہے کہ وہ صرف دعوی کرتے ہیں کہ حدیث قرآن سے متصام ہے، جب کہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں طعن وتشنیع کی جائے اور اس پر عمل کرنے سے دامن کش رہا جائے، لوگوں کی نگاہ میں اس کی شبیہ بگاڑ کر پیش کی جائے تاکہ وہ اس سے بے نیاز ہو جائیں، اسلاف کرام اور ان دشمنانِ اسلام کے درمیان یہی فرق ہے۔

---

(3) آپ امام وحافظ اور قاری ومفسر ابو محمد سعید بن جبیر الوالبی مولاھم ہیں، آپ کا شمار نمایاں اور ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے، حجاج نے سنہ ۹۵ھ میں آپ کو قتل کر دیا۔ دیکھیں: "سیر أعلام النبلاء: (۴/ ۳۲۱)، "طبقات علماء الحدیث" (۱/ ۱۴۹)

(4) اسے دارمی نے "مقدمة السنن" میں حدیث نمبر (۶۱۰) کے تحت اور آجری نے "الشریعة" میں حدیث نمبر (۹۲) کے تحت روایت کیا ہے، یہ ایک صحیح اثر (قول) ہے۔

(5) قوسین کے اندر جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "مجموع الفتاوی" (۱۳/ ۲۸) لابن تیمیہ سے منقول ہے۔

اللہ تعالی امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سے راضی ہو، انہوں نے فرمایا کہ: "دشمنانِ سنت اور اصحاب رائے جب احادیث کو یاد کرنے سے عاجز ہوگئے اور لوگوں کے سوالات پر اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنے میں انہیں شرم ہونے لگی کہ: ہمیں نہیں معلوم، تو (اپنی عزت بچانے کے لیے) وہ احادیثِ رسول کو اپنی رائے سے متصادم ٹھہرانے لگے"[6]۔ اس لئے بندہ مسلم کو چاہئے کہ ان سے، ان کی باتوں سے اور معاشرے میں وہ جو زہر افشانیاں کر رہے ہیں، ان سے دور رہے تاکہ وہ اسے تشویش میں مبتلا نہ کردیں کہ وہ (ان کے دامِ فریب میں آکر) اپنا دین ان کے سپرد کردیں جو اس کا سرمایہ ہے۔ اللہ ہی سے مدد کی طلب اور دعا ہے۔

(6) اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اہل علم کی ایک جماعت نے اس قول کو روایت کیا ہے، جیسے: عمر بن شبہ نے "تاریخ المدینة" (۸۰۱/۳) میں، ابن ابی زَمَنِین نے "أصول السنة" میں حدیث نمبر (۸) کے تحت، اللالکائی نے "شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" (۱۳۸/۱) میں، بیہقی نے "المدخل إلی السنن الکبری" (۱۹۶/۱) میں اور ابن عبد البر نے "الجامع" (۱۰۴۲/۲) میں روایت کیا ہے۔

پہلا وسیلہ

"حفظ"

ہمارا اسلاف کے نزدیک سنت کی حفاظت کا ایک وسیلہ "حفظ" تھا، نبی ﷺ کچھ بھی بولتے تو آپ کے صحابہ اسے یاد کر لیتے، ہم تک ثقہ راویوں کے طریق سے جو احادیث پہنچی ہیں، وہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کو جو قوت حافظہ عطا کیا تھا، اس اعتبار سے ان کا معیارِ حفظ بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا، حافظ صحابی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی ﷺ کے صحابہ کرام میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں، کیوں کہ وہ لکھا کرتے تھے میں لکھتا نہیں تھا"[7]۔

صحابہ کرام سے حفاظ تابعین نے احادیث یاد کی، تابعین سے تبع تابعین نے یاد کیا، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا، پھر سینے میں محفوظ ان احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا، اور آج وہ کتابیں ہمارے سامنے موجود ہیں، والحمد للہ رب العالمین۔

---

(7) اسے بخاری نے حدیث نمبر (۱۱۳) کے تحت روایت کیا ہے۔

دوسرا وسیلہ

"کتابت"

جن وسائل کے ذریعہ سنت نبویہ کی حفاظت کی گئی، ان میں "کتابت" بھی سر فہرست ہے۔ نبی ﷺ کے صحابہ میں کچھ ایسے اشخاص بھی تھے جو نبی ﷺ سے حدیث سننے کے بعد اسے لکھ لیا کرتے تھے، ان میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی ہیں، جن کے بارے میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول اوپر گزرا ہے کہ: "نبی ﷺ کے صحابہ کرام میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں، کیوں کہ وہ لکھا کرتے تھے میں لکھتا نہیں تھا"(8)۔

"الصَّادقہ"

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے (حدیثیں سن کر انہیں) ایک صحیفے میں تحریر کر لیا تھا جس کا نام انہوں نے "الصادقہ" رکھا، آپ اس صحیفے کی اس قدر حفاظت کرتے اور اس سے اتنی محبت رکھتے تھے کہ ان کا بیان ہے: "مجھے زندگی میں جو بھی دلچسپی باقی ہے وہ صرف ان دو نعمتوں کی وجہ سے ہے: ایک "الصادقہ" اور دوسری "الرھطۃ"، "الصادقہ" سے ان کی مراد وہ صحیفہ ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث رقم کی تھی، اور "الرھطۃ" سے ان کی مراد وہ زمین ہے جو انہوں نے صدقہ کیا تھا اور وہ خود ہی اس کی نگرانی کیا کرتے تھے"(9)۔

---

(8) اسے بخاری نے حدیث نمبر (۱۱۳) کے تحت روایت کیا ہے۔

(9) یہ حسن درجے کا اثر (قول) ہے، جسے دارمی نے "مقدمۃ السنن" میں حدیث نمبر (۵۱۳) کے تحت اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

"اس کے بعد تابعین کے زمانے میں کتابت بڑے پیمانے پر رائج ہو گئی، اس زمانے میں جو صحیفے معرض تحریر میں آئے، ان میں کچھ یہ ہیں:

۱-صحیفہ سعید بن جبیر عن ابن عباس۔

۲-صحیفہ بَشیر بن نَہیک عن ابی ہریرۃ وغیرہ۔

۳-صحیفہ مجاہد عن ابن عباس۔

۴-صحیفہ محمد بن مسلم بن تدرُس عن جابر۔

۵-صحیفہ زید بن ابی اُنیسہ الرُّھاوی۔

۶-صحیفہ ابی قلابۃ، جس کے تعلق سے انہوں نے یہ وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد وہ ایوب السختیانی کو دے دیا جائے۔

۷-صحیفہ ایوب بن ابی تمیمۃ السختیانی۔

۸-صحیفہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر۔

ان کے علاوہ اور بھی (احادیث کے) بہت سے صحیفے ہیں جو تابعین سے مروی ہیں، صحابہ کرام-رضی اللہ عنہم اجمعین- کے صحیفوں کے بعد تابعین کے یہ صحیفے ان تالیفات کے لئے دوسری اہم بنیاد ثابت ہوئے جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں"[10]۔

محترم قاری! آپ اس امتدادِ زمانہ پر غور کریں جو زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کی گردن میں پیوست ہے، پہلے صحابہ نے حدیثیں یاد کی اور انہیں تحریر کیا، ان سے تابعین نے یاد کیا اور تحریر کیا، چنانچہ ان کی تحریر کردہ احادیث ان تالیفات کے لئے بنیاد اور اساس ثابت ہوئیں جو تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں، کسی بھی قوم کے میراث کو اتنی توجہ نصیب نہیں ہوئی جتنی توجہ اس امت کے میراث کو حاصل ہوئی:

امام مالک نے اپنی کتاب "الموطّأ" تالیف کی اور آپ کی وفات دوسری صدی میں سنہ ۱۷۹ھ کو ہوئی۔

امام عبد الرزاق بن همّام الصّنعانی نے اپنی کتاب "المصنَّف" تالیف کی، جس میں انہوں نے بیس ہزار سے زائد احادیث اور آثار جمع کئے، آپ کی وفات تیسری صدی ہجری کے آغاز میں سنہ ۲۱۱ھ کو ہوئی، ابن ابی شیبۃ نے اپنی کتاب "المصنّف" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۳۵ھ میں ہوئی، امام احمد بن حنبل نے "المسند" تالیف

---

(10) "تدوین السنۃ النبویۃ" (ص: ۷۴-۷۵)، کچھ لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ عبد اللہ بن عمرو اور دیگر اسلاف نے حدیثیں لکھنے کی بات کی ہے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: "مجھ سے سنی ہوئی باتیں مت لکھو، جس نے (قرآن مجید کے ساتھ) اس کے علاوہ میری کوئی بات (حدیث) لکھی وہ اس کو مٹا دے"، اس مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث نمبر (۳۰۰۴) کے تحت روایت کیا ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اس وقت ناپسند کیا جب آپ کو قرآن و حدیث میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ تھا، جب آپ کا یہ اندیشہ دور ہو گیا تو آپ نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی، لہذا آپ کی یہ ممانعت آپ کی اجازت کی وجہ سے منسوخ ہو گئی، چنانچہ جب فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے اپنا مشہور خطبہ دیا تو ابو شاہ نامی ایک یمنی شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ (خطبہ) لکھ کر دے دیجئے، آپ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا: "ابو شاہ کو-یہ خطبہ- لکھ کر دے دو"۔ یہ حدیث "صحیحین" میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نیز دیکھیں: "المدخل إلى السنن الكبرى" (۲/ ۲۲۳) اور "اختصار علوم الحدیث" (۲/ ۳۷۸)۔

کی جو ستائیس ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے، ان کی وفات سنہ ۲۴۱ھ میں ہوئی اور دارمی نے "المسند" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

نیز (اسی زمانے میں) "کتب ستہ" کے مؤلفین نے بھی اپنی کتابیں تالیف کی، چنانچہ بخاری نے اپنی کتاب "الصحیح" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۵۶ھ میں ہوئی، امام مسلم نے اپنی کتاب "الصحیح" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۶۱ھ میں ہوئی، ابن ماجہ نے اپنی کتاب "السنن" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۷۳ھ میں ہوئی، ابوداود نے اپنی کتاب "السنن" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۷۵ھ میں ہوئی، ترمذی نے اپنی کتاب "السنن" تالیف کی اور ان کی وفات سنہ ۲۷۹ھ میں ہوئی، اور نسائی نے اپنی کتاب "السنن" تالیف کی، کتبہ ستہ کے مؤلفین میں سب سے اخیر میں ان کی ہی وفات ہوئی، وہ سنہ ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

اس طرح سنت نبویہ کی حفاظت کا سلسلہ جاری رہا اور ان کے بعد آنے والے اہلِ علم نے بھی احادیث کی تدوین کا کام جاری رکھا، ہمارے عہد کے وہ (اعدائے سنت) اور ان سے متاثر ہونے والے وہ لوگ جو بغیر علم و معرفت کے اٹکل مارتے ہیں، کیا وہ اس تاریخی حقیقت سے آشنا ہیں؟ اگر وہ اس سے واقف ہوتے تو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے جس میں وہ مبتلا ہیں، لہذا جو حضرات (ان اعدائے سنت) سے متاثر ہیں، ان کو چاہئے کہ اپنا جائزہ لیں، توفیق یافتہ وہی ہے جس کو اللہ اپنی توفیق سے نوازے۔

تیسرا وسیلہ

"سفر"

جن وسائل کے ذریعہ احادیثِ نبویہ ﷺ کی حفاظت کی گئی ہے، ان میں ایک وسیلہ "سفر" بھی ہے، چنانچہ ہمارے سلف صالحین نے حدیث رسول ﷺ کی خاطر سفر کیا، اس تعلق سے جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے ایک صحابی رسول ﷺ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی جو میں نے خود آپ ﷺ سے نہیں سنی تھی، تو میں نے ایک اونٹ خریدا، اس پر اپنا کجاوا کسا اور ایک ماہ کی مسافت طے کی یہاں تک کہ میں ملک شام پہنچ گیا، جہاں میری ملاقات عبد اللہ بن اُنیس انصاری سے ہوئی... ان سے عرض کیا: مظالم سے متعلق ایک حدیث کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، اور میں نے نہیں سنی، تو مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ حدیث سننے سے پہلے میری موت نہ ہو جائے یا کہیں آپ ہی کی وفات نہ ہو جائے، یہ سن کر صحابی رسول نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا...... اس کے بعد حدیث ذکر کی[11]۔

جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے (احادیث رسول کی خاطر) اسفار کئے، اسی طرح تابعین نے بھی سفر کیا، عبد اللہ بن فَیروز نے فلسطین سے مدینہ نبویہ کا سفر کیا، پھر وہاں سے طائف کا سفر کیا تاکہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے (حدیث سے متعلق) ایک جانکاری حاصل کر سکیں[12]، امام احمد نے عدن اور صنعاء کا سفر کیا، اسی طرح ابن عیینہ[13] اور دیگر اہل علم نے سفر کیا، انہوں نے اتنی مشقتیں صرف اس لئے برداشت کیں کہ دین الہی (احادیث نبویہ) کی حفاظت ہو سکے۔

---

(11) اسے احمد (۳/۴۹۵) نے روایت کیا ہے، مزید دیکھیں: کتاب "الرحلۃ" حدیث نمبر (۳۱)، مؤلف: خطیب بغدادی، تحقیق: مؤلف

(12) دیکھیں: کتاب "الرحلۃ فی طلب الحدیث"، حدیث نمبر (۴۷)، تحقیق: مؤلف

(13) دیکھیں: میری کتاب "المنتخب المہذّب من علماء عدن والواردین إلیہا" (ص ۳۵ اور ص ۳۸)

چوتھا وسیلہ

"حقیقت کی جستجو"

جن وسائل کے ذریعہ سنت نبویہ ﷺ کی حفاظت کی گئی، ان میں ایک وسیلہ " حقیقت کی جستجو " بھی ہے۔ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ سنت نبویہ کی حفاظت کی خاطر بڑی شدت سے حقیقت کی جستجو کیا کرتے تھے، تاکہ حدیث میں کوئی ایسی چیز نہ داخل ہو جائے جو اس کا حصہ نہیں، حقیقت کی جستجو کرنے والوں میں خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی سر فہرست ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں نہایت عمدہ مثالیں قائم کیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان میں سے یہ واقعہ بھی ہے جو صحیحین[14] میں آیا ہے کہ: "عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عورت کا حمل ساقط ہو جانے کے بارے میں لوگوں (صحابہ کرام) سے مشورہ کیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے میری موجودگی میں اس قسم کے مقدمے میں ایک غلام یا ایک لونڈی ادا کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی آدمی حاضر کرو جو تمہارے ساتھ گواہی دے، چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ گواہی دی"۔

معلوم ہوا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ حدیث ان کے علم میں نہیں ہے[15]، تو انہوں نے ان سے ایک گواہ طلب کیا جو ان کی بات کی تائید کرے، اس کی وجہ صرف یہ

---

(14) صحیح بخاری (۶۹۰۷) اور صحیح مسلم (۱۶۸۳)

(15) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابی جو عظیم قدر و منزلت والے ہوں، کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہوں، ان سے بھی آپ کی بعض احادیث مخفی رہ سکتی ہیں اور ان سے کم مرتبہ والے صحابی سے ان احادیث کی سماعت ثابت ہو سکتی ہے، یہ حافظ ابن حجر کا قول ہے جو انہوں نے "فتح الباری" (۴/۴۷۳-۳۷۵) میں ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلاف کرام

تھی جیسا کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: "تا کہ لوگ یہ جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کرنا بہت سنگین عمل ہے، چنانچہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد آنے والے لوگ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی ﷺ پر جھوٹ گھڑنے لگیں اور آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کریں جو آپ نے کہی ہی نہیں "[16]۔

اس کے بعد اسلاف کرام کے اندر احادیث رسول ﷺ کے تئیں حقیقت کی جستجو مزید بڑھ گئی اور تحقیق کا جذبہ فزوں تر ہو گیا، اس کی ایک مثال یہ ہے جو " صحیح مسلم کے مقدمہ "[17] میں مجاہد کے حوالے سے آیا ہے، وہ کہتے ہیں: "بُشَیر بن کعب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے احادیث بیان کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (نے یہ رویہ رکھا کہ) نہ اس کو دھیان سے سنتے تھے، نہ اس کی طرف دیکھتے تھے، وہ کہنے لگا: اے ابن عباس! میرے ساتھ کیا (معاملہ) ہے، مجھے نظر نہیں آتا کہ آپ میری (بیان کردہ) حدیث سن رہے ہیں؟ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ سے سنا رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: "ایک وقت ایسا تھا کہ جب ہم کسی کو یہ کہتے سنتے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو ہماری نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتیں اور ہم اس کی آواز پر کان لگا دیتے، پھر جب لوگ بری اور اچھی راہ چلنے لگے (یعنی غلط روایتیں شروع ہو گئیں) تو اب ہم انہی احادیث کو سنتے ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں"۔

خبر آحاد کو قبول کرتے تھے، کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کیا، ہر چند کہ مغیرۃ کے ساتھ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث کی صحت کی گواہی دی، پھر بھی حدیث خبر آحاد کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی۔

(16) "مقدمۃ کتاب المجروحین" (ص ۱۲۱)، تحقیق: مؤلف

(17) ۱/ ۱۳

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف احتیاط کے طور پر یہ رویہ اختیار کیا، جیسا کہ احتیاط کا یہ رویہ عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بھی گزر چکا ہے، ایسا نہیں تھا کہ ابن عباس کی نظر میں بُشَیر متہم رہے ہوں۔

"اتباع تابعین"

جب اتباعِ تابعین کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی احادیث کی تحقیق میں شدید رویہ اختیار کیا اور تحقیقی وسائل کی بنیادیں مضبوط کیں، اس کی ایک مثال مالک بن انس (ت:۱۷۹ھ) کا یہ قول ہے: "چار قسم کے لوگوں سے علمِ (حدیث) حاصل نہیں کیا جاسکتا، ان کے سوا ہر ایک سے حدیث لی جا سکتی ہے: ایسا شہوت پرست جو اپنی شہوتِ نفس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہو، سر عام حماقت کا مظاہرہ کرنے والا بے وقوف، خواہ روایتِ حدیث میں کسی بلند ترین مقام پر ہی کیوں نہ فائز ہو، ایسا شخص جو عام بات چیت میں جھوٹ بولتا ہو، گرچہ احادیثِ رسول ﷺ کے تعلق سے آپ اسے متہم نہ مانتے ہوں، اور ایسا فاضل، نیک اور زاہد وعابد شخص جو حدیث بیان کرے تو اسے خود خبر نہ ہو کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے"[18]۔

امام مالک رحمہ اللہ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے، ان سے احادیثِ رسول ﷺ نہیں لی جاسکتیں، کیوں کہ وہ شہوت پرست جو لوگوں کو اپنی شہوتِ نفس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس سے یہ بعید نہیں کہ اپنی شہوت کی نصرت وتائید کے لئے نبی ﷺ پر جھوٹ گھڑے، ایسا شخص اس لائق نہیں کہ اس سے حدیث روایت کی جائے۔

---

(18) "المعرفۃ والتاریخ" (۱/ ۶۸۴)، "العلل ومعرفۃ الرجال" (۳۲۸) مَرُّوذی وغیرہ کی روایت، "مقدمۃ کتاب الجرح والتعدیل" (۱۳۳)، تحقیق: مؤلف

ایسا احمق، کم عقل اور لاپرواہ شخص جو سرِ عام حماقت کا مظاہرہ کرتا ہو، وہ اس لائق نہیں کہ اس سے حدیثِ رسول ﷺ اخذ کی جائے، خواہ وہ حدیث کا بڑا راوی اور حافظ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح وہ جھوٹا شخص جو لوگوں سے بات چیت کرتے ہوئے جھوٹ بولے، اس سے بھی حدیث نہیں لی جاسکتی، گرچہ اس پر رسول ﷺ کے تئیں جھوٹ گھڑنے کی تہمت نہ ہو، کیوں کہ عام گفتگو میں جھوٹ بولنا ایسی عادت ہے جو اسے رسول ﷺ کے تئیں جھوٹ گھڑنے تک پہنچا سکتی ہے، بنابریں سنت نبویہ کی حفاظت کی خاطر اس سے روایت نہیں لی جائے گی تاکہ حدیث میں کوئی ایسی بات نہ داخل ہو جائے جو اس کا حصہ نہیں۔

وہ نیک اور عابد شخص جو حدیث بیان کرے تو خود اس سے بے خبر ہو کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے، ایسے شخص سے بھی حدیث نہیں لی جاسکتی، کیوں کہ عبادت اور صالحیت ایک چیز ہے، اور حدیث کو یاد کرنا، اس کی معرفت رکھنا اور اسے روایت کرنا ایک الگ چیز ہے، ہر ایک کا اپنا میدان اور تخصص ہے، چنانچہ جو شخص اس میدان کا (ماہر) ہو گا اس سے حدیث لی جائے گی، اور جو اس میدان کا نہیں ہو گا، اس سے نہیں لی جائے گی۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ انہی اصول پر قائم رہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے ذریعہ حدیث کی حفاظت کی اور وہ ہم تک محفوظ شکل میں ایسے پہنچی کہ جس میں کوئی غبار اور اشتباہ نہیں، اللہ تعالی انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

بھلا وہ شخص جو نبی ﷺ سے ثابت شدہ صحیح ترین احادیث میں شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے، وہ ان حقائق سے واقف بھی ہے یا ان سے بے خبر ہے۔

إن كنتَ لا تدري فتلك مصيبة   وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے ہوئے (ایسا رویہ اپناتے ہو) تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور اگر جانتے ہوئے (بھی ایسا کرتے ہو) تو یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

* * *

پانچواں وسیلہ

"تفتیش"

ہمارے سلفِ صالحین نے سنت نبویہ ﷺ کی حفاظت کے لئے جو وسائل اختیار کئے، ان میں ایک وسیلہ رواۃِ حدیث کے احوال کی "تفتیش" بھی ہے تاکہ قبول ورد سے متعلق ان کے اوصاف کی جانکاری ہو سکے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (ت:١١٠ھ) فرماتے ہیں: "(ابتدائی دور میں عالمان حدیث) اسناد کے بارے میں کوئی سوال نہ کرتے تھے، جب فتنہ پڑ گیا تو انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے رجالِ (حدیث) کے نام لو، تاکہ اہل سنت کو دیکھ کر ان سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی حدیث قبول نہ کی جائے"[19]۔

اس اثر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلاف کرام دین کا خوب اہتمام کرتے تھے، سنت نبویہ کی حفاظت کے تئیں ان کا رویہ بہت سخت تھا، اور وہ نااہل راویوں کی روایت قبول نہیں کیا کرتے تھے، کیوں کہ علمِ حدیث دین ہے اور دین، عادل راویوں سے ہی اخذ کیا جا سکتا ہے، ابن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول مشہور ہے کہ: "یہ علم دین ہے، اس لیے (اچھی طرح) دیکھ لو کہ تم کن لوگوں سے اپنا دین اخذ کرتے ہو"[20]۔

معلوم ہوا کہ اسلاف کرام اسانید کو بہت زیادہ اہمیت دیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن المبارک رحمہ اللہ (ت:١٨١ھ) فرماتے ہیں: "اسناد (سلسلہ سند سے حدیث روایت کرنا) دین میں سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتا تو جو

---

(19) "مقدمۃ صحیح مسلم" (١/١٥)

(20) "مقدمۃ صحیح مسلم" (١/١٤)، مذکورہ اثر کی ایک عمدہ شرح ہمارے فاضل بھائی فضیلۃ الشیخ احمد بن عمر بازمول-وفقہ المولی-نے اس عنوان سے کی ہے: "شرح قول ابن سیرین: إن هذا العلم دين"۔

کوئی جو کچھ چاہتا، کہہ دیتا"[21]۔ ان میں سے کسی کو جب حدیث کی سند میں شک ہوتا تو اس حدیث کے راوی کو جاننے کے لئے سفر پر نکل جاتے تھے، شعبہ بن الحجاج (ت: ۱۶۰ھ) رحمہ اللہ اس تعلق سے مشہور ہیں، اس کی ایک مثال بِشر بن المفضل نے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "ہمارے پاس اسرائیل[22] تشریف لائے اور ابو اسحاق عن عبد اللہ بن عطاء عن عقبہ بن عامر کی سند سے دو حدیثیں بیان کی، میں شعبہ کے پاس گیا اور عرض کیا: ہم سے اسرائیل نے ابو اسحاق عن عبد اللہ بن عطاء عن عقبہ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے ، آپ کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اے مجنوں! ابو اسحاق نے ہم سے بھی یہ حدیث بیان کی، میں نے ابو اسحاق سے دریافت کیا: عبد اللہ بن عطاء کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: بصرہ کا ایک نوجوان ہے جو ہمارے پاس آیا تھا۔ شعبہ نے کہا: پھر میں بصرہ آیا، اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں شخص کا ہم نشیں ہے، جب وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے غائب ہے، جب وہ آیا تو میں نے اس سے وہ حدیث طلب کی تو اس نے بیان کیا، میں نے پوچھا: تم سے کس نے یہ حدیث بیان کی؟ اس نے کہا: زیاد بن مخراق نے، اس طرح اس نے مجھے اپنے شیخ کا پتہ دے دیا، اس کے بعد میں زیاد بن مخراق سے ملا، اس سے حدیث طلب کی تو اس نے بیان کیا اور کہا: شہر بن حوشب سے ہمارے بعض اصحاب نے مجھے یہ حدیث روایت کی"[23]۔ اس طرح امام شعبہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند جاننے کے لئے اتنا لمبا سفر کیا، کیوں کہ جب (عبد اللہ بن عطاء عن عقبہ) کی سند سے ان کے سامنے حدیث بیان کی گئی تو ان کو شک ہو گیا، اس لئے انہوں نے سفر کر کے عبد اللہ بن عطاء سے ملاقات

---

(21) "مقدمۃ صحیح مسلم" (۱/۱۵)

(22) یعنی: اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الہمدانی، آپ ثقہ ہیں، آپ کی وفات سنہ (۱۶۱ھ یا ۱۶۲ھ) میں ہوئی، "طبقات علماء الحدیث" (۱/۳۱۹) سوانح نمبر (۱۸۵)

(23) "مقدمۃ الجرح والتعدیل" حدیث نمبر: (۶۷۷)، تحقیق: مؤلف

کی اور ان سے پوچھا کہ انہوں نے کس سے یہ حدیث سنی ہے، انہوں نے بتایا کہ: مجھ سے زیاد بن مخراق نے یہ حدیث بیان کی، چنانچہ وہ زیاد بن مخراق کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ: شہر بن حوشب سے ہمارے بعض اصحاب نے مجھے یہ حدیث بیان کی، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ عبد اللہ بن عطاء اور عقبہ کے درمیان دوسرے واسطے بھی ہیں، جن میں شہر بن حوشب اور دیگر ضعیف رواۃ شامل ہیں، جب کہ عبد اللہ بن عطاء نے اس حدیث کو مرسلاً (رواۃ کا نام ذکر کئے بغیر) بیان کر دیا، جس کی تحقیق شعبہ نے کی اور سند میں واقع خلل اور نقص تک رسائی حاصل کی۔

اللہ تعالی ان تمام اسلافِ عظام پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے، یقیناوہ احادیث رسول ﷺ کے نگراں اور سپاہی تھے۔ اللہ تعالی انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

* * *

چھٹا وسیلہ:

راویانِ حدیث کی تواریخ کی معرفت:

ہمارے اسلاف کرام کے نزدیک حدیث رسول کی حفاظت کا ایک وسیلہ (راویانِ حدیث کی پیدائش اور وفات کی تاریخ کی معرفت) بھی ہے۔جب محدثین کو راوی کے استاد کے بارے میں شک ہو جاتا کہ ان سے ان کی سماعت ثابت ہے یا نہیں تو وہ ان کی اور ان کے استاذ کی عمر کو دیکھتے،اس کے ذریعہ ان کے سامنے حقیقت واضح ہو جاتی، حفص بن غیاث-رحمہ اللہ-(ت:۱۹۴ھ) سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: "جب تمہیں شیخ کے متہم ہونے کا اندیشہ ہو تو سالوں کے ذریعے ان کا محاسبہ کرو"[24]۔یعنی ان کی اور ان کے استاذ کی عمر دیکھو۔

سفیان ثوری-رحمہ اللہ-(ت:۱۶۱) سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ: جب راویوں نے کذب بیانی سے کام لینا شروع کر دیا تو ہم نے تاریخ (پیدائش ووفات) سے ان کا جائزہ لیا"[25]۔

میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں، یہ مثال ابن حبان کی کتاب "مقدمۃ المجروحین" میں اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ (ت:۱۸۲) کے طریق سے آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ:"جب میں عراق میں تھا تو محدثین کی ایک جماعت میرے پاس آئی اور کہنے لگی: یہ شخص خالد بن معدان سے روایت کرتا ہے،اسماعیل کہتے ہیں: میں اس شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: تم نے خالد بن معدان سے کس سن حدیث اخذ کی؟ تو اس نے کہا کہ: سنہ

---

(24)"الکفایۃ"(ص۱۱۹-۱۲۰)

(25)"مقدمۃ الکامل"، حدیث نمبر:(۴۰۹)، تحقیق: مؤلف

(۱۱۳ھ) میں، اس پر میں نے کہا: تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے خالد سے ان کی موت کے سات سال بعد حدیث سنی، اسماعیل کہتے ہیں کہ: خالد بن معدان کی وفات (۱۰٦ھ) میں ہوئی"[26]۔

یہ وسیلہ جسے ہمارے علمائے کرام نے ان راویانِ حدیث کے تعلق سے استعمال کیا جن کی روایت میں انہیں شک ہوا، حدیثِ رسول کو خارجی عوامل سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ایک مفید ترین وسیلہ ثابت ہوا، چنانچہ جس نے بھی اس دین کے خلاف سازش رچی یا اپنے دل میں اس کے تئیں کوئی غبار رکھا، وہ ان علمائے کرام کے ہاتھوں ذلت وخواری سے دوچار ہوا، اللہ ان تمام خدامِ حدیث کو بہترین اجر سے نوازے۔

* * *

(26) "مقدمۃ المجروحین"، حدیث نمبر (١٦٥)، تحقیق: مؤلف، اس کی سند حسن ہے۔

ساتواں وسیلہ:

"جرح وتعدیل"

ہمارے اسلاف کرام کے نزدیک حدیث رسول کی حفاظت کا ایک وسیلہ (جرح وتعدیل) بھی ہے، محدثین اور علمائے اصول کی اصطلاح میں ان دو کلمات (جرح وتعدیل) سے مراد وہ علم ہے جو راویوں کے احوال سے بحث کرتا ہے ان کی روایت کو قبول یا رد کرنے کے اعتبار سے[27]،اس کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ ابو عبد اللہ الحاکم رحمہ اللہ نے فرمایا:"اس کی دو قسمیں ہیں، جن میں سے ہر ایک مستقل ایک علم ہے"[28]۔

امت کے سلف اور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع بھی ہے،کیوں کہ اس علم کے ذریعہ یہ تمیز ہوتی ہے کہ کن حدیثوں کو قبول کرنا واجب ہے اور کن حدیثوں کو قبول کرنا جائز نہیں[29]،جو راوی جرح کا مستحق ہوتا ہے اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی ہے،اور مردود راوی کے کئی ایک مراتب ہیں،اسی طرح جو راوی تعدیل کا مستحق ہوتا ہے اس کی حدیث قبول کی جاتی ہے،اور مقبول راوی کے بھی مختلف مراتب ہیں،اور راویوں پر جرح کرنا کسی بھی صورت غیبت نہیں،اگر یہ غیبت ہوتی تو اس کے جواز پر سلف کا اجماع نہ ہوتا۔یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ (ت:۱۹۸ھ) فرماتے ہیں:"میں نے شعبہ،سفیان ثوری،سفیان بن عیینہ اور انس بن مالک–

---

(27)"المنہج الإسلامی فی الجرح والتعدیل"(ص۱۱)، تالیف:فاروق حمادۃ

(28)"معرفۃ علوم الحدیث"(ص۶۶)

(29)"شرح علل الترمذی"(۱/۳۴۸)

رحمہم اللہ- سے کہا: ایسا راوی جو روایتِ حدیث میں بکثرت غلطی کرتا ہو کیا میں اس کے معاملے کو بیان کر سکتا ہوں؟ ان حضرات نے کہا، آپ اس کے معاملے کو بیان کریں"[(30)]۔

اس امانت کی ادائیگی میں انہوں نے شاندار مثالیں قائم کیں، حتی کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو بھی ضعیف قرار دیا، چنانچہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ (ت: ۲۳۴ھ) کو دیکھیں، انہوں اپنے والد کو ضعیف قرار دیا، ان سے ان کے والد کے تعلق سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ: دوسروں سے دریافت کرو، پھر ان سے وہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں"۔

حالانکہ علی بن مدینی کے والد کی روایت کردہ حدیثیں ائمہ کرام کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لئے عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: "اگر عبد اللہ ہمارے نزدیک ثقہ ہوتے تو ہمیں مالک کی حدیث کی ضرورت نہیں ہوتی"[(31)]، لیکن حدیثِ رسول کو خارجی عوامل سے محفوظ رکھنے کی خاطر، ان کی حدیث کو ترک کرنے پر وہ مجبور ہوئے[(32)]، جریر بن عبد الحمید رحمہ اللہ (ت: ۱۸۸ھ) کو دیکھیں، انہوں نے اپنے بھائی انس کو ضعیف قرار دیا، یحیی بن مغیرہ نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: " ان سے حدیث نہیں لی جائے گی، کیوں کہ وہ لوگوں کی بات چیت میں کذب بیانی سے کام لیتا ہے"[(33)]۔

---

(30) "المحدث الفاصل" حدیث نمبر (۸۴۸)، تحقیق: مؤلف، مزید دیکھیں: "العلل ومعرفۃ الرجال" (۳/۱۵۴) حدیث نمبر (۴۶۸۴)

(31) "إکمال تہذیب الکمال" (۷/۲۲۷)، تہذیب الکمال: (۵/۱۷۵)

(32) "المجروحین" (۱/۵۰۷) حدیث نمبر (۵۳۳)

(33) "الجرح والتعدیل" (۲/۲۸۹-۲۹۰) حدیث نمبر (۱۰۵۶)

اللہ ہمارے اسلاف کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرے، یہ حضرات حدیثِ رسول کے چشمہ صافی کے نگراں اور سپہ سالار تھے، انہوں نے حدیث رسول کا دفاع کیا، صحیح احادیث کو بیان کرکے ان تک لوگوں کی رہنمائی فرمائی، احادیث رسول میں جو ملاوٹیں در آئی تھیں، ان سے ان کو متنبہ کیا اور ان ملاوٹوں (کو قبول کرنے سے) لوگوں کو باز رکھا، اللہ انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

* * *

آٹھواں وسیلہ

"علم العلل"

اسلاف کرام کے نزدیک احادیث نبویہ کی حفاظت کا ایک وسیلہ "علمِ علل" بھی تھا۔ علت کی تعریف سے علم علل الحدیث کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ تعریف یہ ہے: وہ ایسا پوشیدہ اور مخفی سبب ہے جو حدیث کی صحت میں ضعف اور عیب پیدا کرتا ہے، جبکہ بظاہر وہ حدیث اس سے محفوظ اور خالی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ علم مخفی علت سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس میں درک ومہارت حاصل کرنا بھی نہایت دشوار امر ہے۔ بطور خاص اس لئے بھی کہ اس طرح کی علت اکثر ثقہ راویوں کی احادیث میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ عام لوگ ثقہ راوی کو دیکھ اس پر بھروسہ کرلیتے اور اس کے تئیں حسن رکھتے ہوئے اس کی حدیث بھی قبول کرلیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ضعیف ومعلول حدیث کو بھی صحیح ٹھہرانے لگتے ہیں۔ یہ عمل اتنا سنگین ہے کہ اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا، بایں معنیٰ کہ نبی ﷺ کی طرف ایسی حدیث منسوب کردی جاتی ہے جو آپ سے ثابت نہیں، معلوم ہوا کہ علم علل تمام تر علوم حدیث سے زیادہ غامض اور دقیق علم ہے۔ اس کا حق وہی شخص ادا کرسکتا ہے جس کو اللہ نے بصیرت افروز فہم وفراست، بلا کا حافظہ، راویوں کے درجات ومراتب کی مکمل آگہی اور اسانید ومتون کو پرکھنے کا مضبوط ملکہ عطا کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم علمائے حدیث نے اس فن کو اپنا موضوع بنایا ہے، جیسے علی بن المدینی، احمد بن حنبل، بخاری، یعقوب بن شیبہ، ابوحاتم، ابوزرعہ اور دارقطنی[34]۔

---

(34)"نزهة النظر": (ص ۱۲۳)

چنانچہ وہ حدیث جو بظاہر صحیح ہو، اس کی سند بھی ثقہ راویوں سے عبارت ہو، البتہ اس کے اندر کوئی مخفی علت ہو، تو یہ حدیث جب ان علمائے علل کے پاس پیش کی جاتی تو وہ اس مخفی علت کو فورا بھانپ لیتے جس طرح ڈاکٹر بیمار کی بیماری کو اس کا نبض پکڑتے ہی جان لیتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے انہیں خصوصی طور پر فقہ وفہم، وسعت حافظہ اور راویوں کے مراتب ودرجات کی مکمل معرفت عطا فرمائی، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے کہا کہ: "حدیث کا علم الہام الٰہی ہے"[35]۔ اس کا طریقہ یہ رہا کہ انہوں نے حفظ اور تکرار ومذاکرہ[36] کے ذریعہ اتنی کثرت سے اس علم کی مشقیں کیں کہ یہ علم ان کی مصروفیت کا محور ومرکز بن گیا، بالکل اس اکسچینجر (تبادلہ زر کرنے والے شخص) کی طرح جو ریال اور درہم ودینار جیسے نقود کو پرکھنے میں مہارت رکھتا ہے، چنانچہ جب کوئی شخص اس کے پاس تبادلہ زر کے لئے آتا ہے تو وہ (چھوتے ہی) کہہ دیتا ہے: یہ جعلی اور کھوٹا ہے، اور وہ اس کو سچ بھی مان لیتا ہے، کیوں کہ یہ اس کا فن ہے، چنانچہ جس طرح وہ شخص اس اکسچینجر کی معرفت ومہارت کی وجہ سے اس کی بات مان لیتا ہے، اسی طرح علمائے کرام ان محدثین کی بات مانا کرتے تھے، کیوں کہ یہ ان کا ہی فن ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے: خلیلی نے اپنی کتاب "الِإرشاد" میں ابو حامد الاعمشی–احمد بن حمدون– سے روایت کیا ہے کہ: "وہ امام بخاری کے پاس تھے اور (مجلس میں) مسلم بھی موجود تھے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے حجاج بن محمد کی حدیث پڑھی جو انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے موسی بن عقبہ سے، انہوں نے سہیل بن ابی صالح سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابو ہریرۃ سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا:

---

(35) "علل الحدیث" (۱/ ۱۲۴) لابن ابی حاتم

(36) ابو عبد اللہ الحاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس قسم کا علم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ تعاون اہل فقہ ومعرفت کے ساتھ تکرار اور مذاکرہ کرنے سے ملتا ہے، تاکہ حدیث کی مخفی علت ظاہر ہو سکے"۔ "معرفۃ علوم الحدیث": (۷۵)

"مجلس اور لغو باتوں کا کفارہ یہ ہے کہ جب اس مجلس سے اٹھے تو یہ دعا پڑھے:"سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا الله، أستغفرك وأتوب إليك" (یعنی: تو اپنی تعریفوں سمیت پاک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرنے والا ہوں)۔ مسلم نے کہا: دنیا میں اس سے زیادہ عمدہ حدیث بھی ہے، ابن جریج نے موسی بن عقبہ سے اور انہوں نے سہیل سے روایت کیا، اس اسناد سے پوری دنیا میں ایک ہی حدیث مشہور ؟!

اس پر محمد بن اسماعیل (بخاری) نے کہا: لیکن اس میں بھی علت ہے، مسلم نے (تعجب کرتے ہوئے) کہا- جبکہ ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا-: لا الہ الا اللہ۔ مجھے بھی اس کے بارے میں بتائیں، بخاری نے کہا: جسے اللہ نے پوشیدہ رکھا ہے اس پر تم بھی پردہ ڈالے رکھو۔ یہ ایک عظیم الشان حدیث ہے جسے حجاج بن محمد عن ابن جریج کی سند سے بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے، حجاج نے ابن جریج سے اصرار کیا اور ان کا سر چوما، یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ رو دیں، تو انہوں نے کہا: - اگر ضروری ہی ہے تو- لکھو: ہمیں موسی بن اسماعیل نے، ان کو وہیب نے، ان کو موسی بن عقبہ نے اور انہوں نے عون بن عبد اللہ سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجلس کا کفارہ.." یہ سن کر امام مسلم (حیران و ششدر رہ گئے اور) کہا: "آپ سے کوئی حاسد ہی بغض و نفرت کر سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی ماہرِ حدیث نہیں"[37]۔

چنانچہ یہ علت امام مسلم سے مخفی رہی، لیکن امامِ فن بخاری رحمہ اللہ نے اس کو واضح کیا، یہ ہیں امام بخاری اور علمِ علل میں یہ ہے ان کا مقام و مرتبہ۔ تو کیا ان کی "صحیح" میں نکتہ چینی اور طعن و تشنیع کرنے والوں کو اس کا علم

---

(37) "الإرشاد" (۳/۹۶۰) حافظ نے اس قصہ کی سند پر صحت کا حکم لگایا ہے "تغلیق التعلیق" (۵/۴۲۹)

ہے؟ اگر نہیں ہے تو ان کو چاہئے کہ وہ یہ جان لیں، ہو سکتا ہے اس کے بعد ان کو اپنی جہالت، ضلالت اور بے راہ روی کا ادراک وانکشاف ہو جائے۔

ابو زرعہ اور ابو حاتم فرماتے ہیں: "اس حدیث کو وہیب نے سہیل سے اور انہوں نے عون بن عبد اللہ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے"[38]۔

اس سے معلوم ہوا کہ موسی بن عقبہ کی سماع سہیل سے ثابت نہیں۔ اللہ تعالی تمام علمائے حدیث پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

---

(38) "علل الحدیث" (۳/۲۳۷) برقم: (۲۰۷۹)

نواں وسیلہ

"راوی کے حفظ واتقان سے واقفیت"

"راوی کے حفظ واتقان سے واقفیت" بھی اسلاف کرام کے نزدیک احادیث کی حفاظت کا ایک وسیلہ تھا، کیوں کہ راوی کی مرویات کو قبول یا رد کرنے کا معتبر معیار یہی ہے کہ اس کے حفظ اور نسیان سے واقفیت حاصل ہو، ہمارے اسلاف کرام اس حفظ واتقان کو جاننے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کرتے تھے، ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ: جب ان کو راوی کے حفظ واتقان میں شک ہوتا تو اس راوی نے اپنے کسی شیخ سے جو روایتیں نقل کی ہتیں، ان کو یکجا کرتے اور ن کے درمیان اور ان کے ہم عصر ساتھیوں کی روایتوں کے درمیان تقابلی تجزیہ کرتے، اگر اس کی روایت ہم عصر راویوں کی مخالف ہوتی، یا بہت کم ہی موافق ہوتی، اور اکثر وبیشتر روایتیں مخالف ہوتیں تو اس کی حدیث کو وہ رد کر دیتے[39]۔

اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا کہ: ان میں سے کوئی محدث کسی راوی سے کوئی حدیث روایت کرتے، پھر ایک مدت کے بعد اس کے پاس جاتے اور اس حدیث کے بارے میں اس سے دریافت کرتے اور دیکھتے کہ اس کا حفظ واتقان (محفوظ ہے یا) اس میں اختلاط آگیا ہے۔اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جسے ابوخیثمہ نے کتاب "العلم"[40] میں عمارۃ بن القعقاع کی سند سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھ سے ابراہیم[41] نے کہا: مجھ سے

---

(39) دیکھیں: "مقدمۃ صحیح مسلم" (۱/ ۷)

(40) بہ رقم: (۵۶)

(41) آپ ابوزرعۃ بن عمرو بن جریر البجلی ہیں، آپ ثقہ ہیں۔

ابو زرعہ[42] کی حدیثیں بیان کرو، کیوں کہ میں نے ان سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا، پھر دو سال کے بعد اسی حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ایک حرف بھی ہیر پھیر نہیں کیا۔

حفظ واتقان کی جانچ پرکھ کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا کہ راوی کی مرویات میں دوسرے راوی کی مرویات ملادی جاتیں تاکہ پتہ چل سکے کہ وہ اس خلط ملط کو سمجھ پاتے ہیں یا نہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یحیی بن معین اور احمد بن حنبل عبد الرزاق صنعانی کے پاس سے کوفہ کی طرف لوٹے تو ان کا گزر ابو نعیم فضل بن دکین کے پاس سے ہوا، یحیی نے احمد سے کہا: "میں ابو نعیم کو آزمانا چاہتا ہوں، احمد نے کہا: یہ شخص تو ثقہ ہے، لیکن یحیی نے عرض کیا: مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے ایک کاغذ پر ابو نعیم کی چالیس حدیثیں لکھی، اور ہر دس کے بعد ایک حدیث کسی دوسرے راوی کی ڈالدی، پھر وہ -یحیی، احمد بن حنبل اور احمد بن منصور- ابو نعیم کے پاس آئے اور ان کے دروازے پر دستک دی، چنانچہ وہ نکلے اور ایک دکان پر بیٹھ گئے، احمد کو اپنے دائیں اور یحیی کو اپنے بائیں بٹھایا، جب کہ احمد بن منصور دکان کے نیچے بیٹھ گئے، یحیی نے دس حدیثیں پڑھیں اور ابو نعیم خاموشی سے سنتے رہے، اس کے بعد جب گیارہو یں (۱۱) حدیث پڑھی تو ابو نعیم نے کہا: یہ میری حدیث نہیں، اسے کاٹ دو، پھر دوسری دس حدیثیں پڑھیں اور ابو نعیم خاموش رہے، اس کے بعد بائیسویں (۲۲) حدیث پڑھی تو ابو نعیم نے کہا: یہ میری حدیث نہیں ہے، اسے کاٹ دو۔ پھر تیسری دس حدیثیں پڑھیں اور جب تینتسویں (۳۳) حدیث پڑھی تو ابو نعیم کا چہرہ بدل گیا، ان کی آنکھیں پلٹ گئیں اور وہ یحیی کی طرف متوجہ ہو کے بولے جب کہ احمد کا بازو ان کے ہاتھ میں تھا: رہی بات ان کی تو یہ اس بات سے کہیں زیادہ متقی ہیں کہ ایسا کام کریں، رہی ان کی -یعنی احمد بن منصور کی- بات تو اس طرح کا کام ان کے بس کی بات نہیں، لیکن اے

(42) آپ نخعی ہیں، آپ کی وفات سنہ (۱۹۵ھ) میں ہوئی، "طبقات علماء الحدیث" (۱/ ۱۴۵) سوانح نمبر: (۹۶)

کارگزار! یہ تیرا ہی کام ہو سکتا ہے، پھر اپنا پاؤں نکالا اور یحیی کو دکان سے مار گرایا، پھر کھڑے ہوئے اور گھر میں چلے گئے۔ اس پر احمد نے یحیی سے کہا: کیا میں نے اس شخص کے ساتھ ایسا کرنے سے منع نہیں کیا تھا اور تم سے کہا تھا کہ: یہ ثقہ ہیں، تو یحیی نے کہا: اللہ کی قسم! اس کا یہ لات مارنا میرے نزدیک اس سفر سے زیادہ محبوب ہے"[43]۔

یہ ان طریقوں اور وسائل میں سے ایک ہے جو ہمارے اسلاف رحمہم اللہ نے احادیث نبویہ کی حفاظت وصیانت کے لئے اختیار کیا۔ انہوں نے راوی کی حفظ واتقان کی پرکھ کے لئے اور بھی بہت سے طریقے اپنائے۔ لیکن میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، کیوں کہ ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ انہوں نے راوی کے حفظ واتقان کی معرفت کو وسیلہ بنایا، اور مذکورہ مثالوں سے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

---

(43) "تاریخ بغداد" (۱۴/۳۱-۳۱۵) معمولی اختصار کے ساتھ۔

دسواں وسیلہ

"جس راوی کے اندر اختلاط ہو اس کی روایت قبول نہ کرنا"

احادیث کی حفاظت کا ایک وسیلہ یہ ہے کہ "جس راوی کے اندر اختلاط ہو، اس کی روایت شروط و قیود کے ساتھ قبول کی جائے"۔ اختلاط کا مطلب ہے: عقل و خرد میں تبدیلی واقع ہونا، حافظہ کا کمزور ہونا، اور حفظ واتقان میں خلل پیدا ہونا، یا تو بڑھاپے کی وجہ سے، یا ناگہانی آفت یا بیماری یا کسی عارضے کی وجہ سے، علمائے حدیث نے مختلط راوی کے لئے کچھ شروط و قیود مقرر فرمائے ہیں، یہ سب اس لئے کہ احادیث نبویہ میں کوئی ایسی چیز نہ داخل کر دی جائے، جو ان میں سے نہیں، یہ شروط و قیود حسبِ ذیل ہیں۔

۱-ان کی روایت ان راویوں کے طریق سے قبول کی جائے گی جنہوں نے اختلاط سے قبل ان سے حدیثیں روایت کی، کیوں کہ جس وقت انہوں نے ان سے حدیث سنی، اس وقت ان کا حافظہ صحیح سالم تھا۔

۲-ان کی وہ روایت رد کی جائے گی جو اختلاط کے بعد ان سے روایت کرنے والے راویوں کے طریق سے آئے، کیوں کہ انہوں نے اختلاط کے بعد ان سے روایت کیا، جب کہ اختلاط کی وجہ سے ان کا حافظہ متاثر ہو چکا تھا، چنانچہ اس کا حق ہے کہ اسے ان سے روایت نہ کیا جائے۔

۳-اختلاط کے بعد ان سے روایت کرنے والے راویوں کی روایت اس شرط کے ساتھ قبول کی جائے گی کہ اس حدیث کی روایت میں دیگر ثقہ رواۃ بھی مختلط کی موافقت کریں، چنانچہ وہ بھی اسی طرح روایت کریں جس طرح

اس مختلط نے روایت کی ہو، اس وقت ان ثقہ راویوں کی روایت پر اعتماد کیا جائے گا جنہوں نے اس کی روایت میں مختلط راوی کی موافقت کی ہو[44]۔

۴-(کچھ مختلط راوی) ایسے بھی ہیں جن کی روایت مذکورہ شروط وقیود کے بغیر بھی قبول کی جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ راویوں کو جب اختلاط لاحق ہوا تو انہیں لوگوں سے ملنے سے روک دیا گیا، چنانچہ اختلاط کے بعد کسی نے ان سے روایت نہیں کی، جس کے نتیجے میں ان کی مرویات محفوظ رہیں، ایسے ہی مختلطین میں مثال کے طور پر: حجاج بن محمد المصیصی (متوفی: ۲۰۶ھ) رحمہ اللہ کا ذکر آتا ہے، آخری عمر میں ان کو اختلاط لاحق ہو گیا تھا، لیکن اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوا، کیوں کہ ان کے شاگرد یحیی بن معین رحمہ اللہ نے ان کے صاحبزادے کو منع کر دیا کہ وہ اختلاط کے بعد کسی کو ان کے پاس جانے دیں[45]۔

۵-وہ راوی جو اختلاط کا شکار ہوئے اور ان کی احادیث میں (صحت وضعف) کی تمیز نہ ہو سکی، ان کی روایت ترک کر دی جائے گی، مثال کے طور پر لیث بن ابی سُلیم: اسی لئے حافظ ابن حجر نے ان کے متعلق فرمایا: وہ بہت زیادہ اختلاط کے شکار ہو گئے اور ان کی حدیث (میں صحت وضعف) کی تمیز نہ ہو سکی، چنانچہ ان کی حدیث ترک کر دی گئی۔

علمائے اہل حدیث یہ جاننے کے بعد بھی کہ فلاں شخص کو اختلاط لاحق ہو گیا ہے، اس کے پاس جاتے اور اس سے حدیث سنتے تاکہ اختلاط کی مقدار جان سکیں، پھر اس کے اس اختلاط کو لوگوں میں عام کرتے، تاکہ وہ اس سے واقف رہیں۔ ان کے اس عمل کی ایک مصلحت بھی تھی، وہ یہ کہ بعض رواۃ جب اختلاط کے شکار ہوتے یا

---

(44) "مقدمۃ صحیح ابن حبان" (۱/۱۶۱) (احسان)

(45) "ھدی الساری" (ص ۵۵۸)

ان کے (حافظے میں) کوئی تبدیلی آتی، تو ان کے بیٹے انہیں لوگوں کے پاس جانے سے روک دیتے اور کسی کو ان کے پاس جانے بھی نہیں دیتے، اس ڈر سے کہ کہیں علمائے حدیث ان کو ضعیف نہ ٹھہرادیں کہ ان کی مرویات ساقط اور بے اعتبار ہو جائیں، اس مناسبت سے ایک واقعہ کا ذکر بر محل اور مناسب معلوم ہوتا ہے، اسے برذعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "سؤالات البرذعی لأبی زرعۃ"[46] میں نقل کیا ہے:

وہ کہتے ہیں: "میں نے ابوزرعۃ سے کہا: کیا قرۃ[47] بن حبیب (کے حافظے میں) تبدیلی آگئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں، ان کی آخری عمر میں ہم نے ان سے (حدیث لینا) ترک کر دیا تھا، تاہم وہ اپنے بیٹے کی موجودگی میں ہی حدیث بیان کرتے تھے، یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگے، میں نے پوچھا: آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: میں اور ابو حاتم ایک روز ان کے گھر گئے اور دروازے پر دستک دی اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی، وہ دروازے کے قریب آئے تاکہ ہمیں اندر جانے کی اجازت دیں، لیکن ان کی صاحبزادی نے پست آواز میں ان سے کہا: ابا جان! یہ لوگ علمائے حدیث ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو غلط نہ ٹھہرادیں گے، یا آپ کی مرویات میں کہیں ایسی حدیث نہ داخل کر دیں جو آپ نے بیان نہیں کی، اس لئے آپ ان کے پاس مت جائیں، یہاں تک کہ بھائی جان ـ یعنی علی بن قرۃ ـ آجائیں، انہوں نے اپنی صاحبزادی سے کہا: مجھے (اپنی مرویات) ازبر ہیں، میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا، قرۃ باہر نکلنے کے لئے اپنی صاحبزادی کے ساتھ حجت کرتے رہے اور اسے مناتے رہے اور وہ ان کو روکنے کے لئے بضد رہی اور جب تک علی بن قرۃ نہ آجائیں تب

---

(46) بہ رقم: (۴۹۶)

(47) آپ قرۃ بن حبیب القنوی ابو علی البصری ہیں، آپ کی وفات سنہ (۲۲۴ھ) میں ہوئی، "تہذیب الکمال" (۲۳/۵۷۶) سوانح رقم: (۴۸۶۹)

تک ان کو روکے رکھنے کے لئے حجت کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ اپنے والد کو روکنے میں کامیاب ہو گئی اور ان کو باہر نہیں آنے دی، ابو زرعۃ کہتے ہیں: ہم وہاں سے واپس آئے اور انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ: ان کے صاحبزادے علی آگئے (تو ہم نے ان سے ملاقات کی)۔ ابو زرعۃ کہتے ہیں: مجھے اس بات سے تعجب ہونے لگا کہ اس لڑکی نے اپنے والد کو روکنے کے لئے کس قدر سنجیدگی، متانت اور درست روی اختیار کی"۔

ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ کو راویوں کے حفظ واتقان میں جب شک ہوتا تو ان کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرتے، وہ ان تک رسائی حاصل کرنے کا خوب سے خوب اہتمام کرتے، اسی طرح بعض (راویوں کے صاحبزادے بھی) اس بات کا شدید اہتمام کرتے کہ کہیں ان کے والد کے پاس علمائے حدیث نہ پہنچ جائیں، اس ڈر سے کہ اگر انہوں نے ان کا امتحان لیا اور ان سے غلطی ہوئی تو ان کی مرویات ساقط اور بے اعتبار ہو جائیں گی اور اس کی وجہ سے وہ ان کو ضعیف قرار دے دیں گے۔ اس طرح حدیث کی حفاظت وصیانت کی گئی۔ اللہ تعالی انہیں بہترین اور کامل ترین اجر سے نوازے۔

گیارہواں وسیلہ:

"ایک مقام پر راوی کی روایت قبول کرنا اور دوسرے مقام پر اس کی روایت رد کرنا"

احادیث نبویہ کی حفاظت کا ایک وسیلہ یہ بھی تھا کہ علمائے حدیث رحمہم اللہ نے راوی کی صحیح وضعیف روایات کی جانچ پرکھ کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے، چنانچہ (جانچ پرکھ کے بعد) راوی کی صحیح روایات قبول کرتے اور ضعیف روایات رد کر دیتے، اس کے لئے انہوں نے بہت سے قواعد بنائے جو احادیث نبویہ کو خارجی تاثیرات وعوامل سے محفوظ رکھنے کا وسیلہ شمار کئے جاتے ہیں، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، لیکن میں اس کی کچھ دلیلیں ذکر کرنے جا رہا ہوں، تا کہ جو ناواقف ہو وہ جان لے کہ ہمارے اسلاف کرام سنت مطہرہ– علی صاحبہا أفضل الصلاۃ وأتم التسلیم– کی حفاظت کا کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے۔

اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱– معمر بن راشد بصری وصنعانی[48] ، یمن میں سکونت پزیر تھے (متوفی: ۱۵۳ھ) رحمہ اللہ، وہ احادیث جو انہوں نے یمن میں روایت کی، وہ صحیح اور مقبول ہیں، البتہ وہ احادیث جو انہوں نے بصرہ میں روایت کی، وہ مردود ہیں، کیوں کہ ان میں غلطیاں ہیں، چنانچہ جو روایتیں ان سے یمن میں اخذ کی گئیں، وہ صحیح ہیں، اور جو روایتیں بصرہ میں اخذ کی گئیں، وہ ضعیف ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے بصرہ کا سفر کیا تو وہاں اپنے حافظے سے روایت کرنے لگے، کیوں کہ وہ اپنے ساتھ کتابیں اور مصادر وماخذ لے کر نہیں گئے تھے، چنانچہ

(48) جب وہ بصرہ سے صنعاء آئے تو صنعاء کے باشندوں کو یہ ناگوار ہوا کہ وہ وہاں سے کوچ کر جائیں، چنانچہ ان میں سے کسی نے کہا کہ: ان کو روکنے کے لئے ان کی شادی کرا دو، پھر انہوں نے ان کی شادی کرا دی۔ "تھذیب الکمال" (۲۸/ ۳۰۹)

(روایت میں) غلطی کرنے لگے، اس لئے محدثین نے کہا کہ: اس نے بصرہ میں جو حدیثیں روایت کی، ان میں غلطیاں ہیں[49]۔

۲-زہیر بن محمد تمیمی وخراسانی (متوفی: ۱۶۲ھ) رحمہ اللہ، وہ شام اور حجاز میں سکونت پزیر تھے، جب شامی رواۃ ان سے روایت کریں تو ان کی روایت مردود اور غیر درست ہوتی ہے، اور جب غیر شامی رواۃ ان سے روایت کریں تو وہ روایت صحیح اور درست ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شام میں انہوں نے اپنی کتابوں کی بجائے اپنے حافظے سے روایت کیا، چنانچہ ان کے ساتھ بھی وہی ہوا جو ان سے قبل معمر کے ساتھ ہوا[50]۔

۳-اسماعیل بن عیاش عنسی وحمصی (متوفی: ۱۸۲ھ) رحمہ اللہ، جب وہ اپنے ملک شام کے راویوں سے روایت کریں تو ان کی روایت صحیح ہوتی ہے، اور ان کے علاوہ دیگر راویوں سے روایت کریں تو غلطی اور خلط ملط کر جاتے ہیں[51]۔ کیوں کہ وہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی حدیث میں خلل اور غلطی واقع ہو گئی[52]۔

۴-سفیان بن حسین واسطی رحمہ اللہ، جب وہ زہری سے روایت کریں تو ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے، جبکہ ان کے علاوہ سے روایت کریں تو وہ صحیح ہوتی ہے، وہ ثقہ راوی ہیں، زہری سے روایت کردہ مرویات کے ضعیف

---

(49) "تھذیب الکمال" (۳۰۹/۲۸)

(50) "تھذیب الکمال" (۹/۴۱۷-۴۱۸)

(51) "الجرح والتعدیل" (۲/ ۱۹۲) "مقدمۃ المجروحین" بہ رقم (۱۸۰) تحقیق: مؤلفِ کتاب ہذا

(52) "طبقات علماء الحدیث" (۱/ ۳۷۴) سوانح رقم: (۲۲۳)

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حج کے موسم[53] میں ان سے حدیث سنی، اور ان کی مسموعات کو ضبط واتقان کے ساتھ از بر نہ کر سکے، "بلکہ شک ووہم کے ساتھ ان مسموعات کو روایت کرتے "[54]۔

اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ بعض علماء نے راوی کی صحیح احادیث کو منتخب کر کے انہیں قبول کیا اور ضعیف حدیث کو ترک کر دیا، جیسا کہ امام بخاری نے بعض راویوں کے ساتھ کیا، مثال کے طور پر:

۵-اسماعیل بن ابی اویس (متوفی:۲۲۶ یا ۲۲۷ھ) رحمہ اللہ، انہوں نے اپنی (مرویات کی) کتاب بخاری کو نکال کر دی اور انہیں اجازت دی کہ وہ اس میں سے (اپنی شرط کے مطابق) حدیثیں منتخب کر لیں اور جن احادیث کو روایت کریں انہیں نشان زد کر دیں تاکہ وہ بھی انہی احادیث کو روایت کریں اور باقی دیگر احادیث سے صرف نظر کریں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری نے ان سے جو حدیثیں روایت کی ہیں، وہ ان کی صحیح احادیث ہیں، کیوں کہ انہوں نے ان کی (مرویات کی) کتاب سے یہ حدیثیں تحریر کی تھی، بنابریں صحیح بخاری میں ان کی جو حدیثیں ہیں، ان کے علاوہ ان کی دیگر حدیثیں قابل احتجاج نہیں ہیں، کیوں کہ نسائی وغیرہ[55] نے ان پر جرح کیا ہے، الا یہ کہ اس (حدیث کی) روایت میں دوسرے رواۃ بھی شریک ہوں تو وہ روایت معتبر ہو گی[56]۔

ہمارے اسلاف کرام بعض راویوں کی صحیح اور ضعیف مرویات کے تئیں یہی طریقہ اختیار کرتے تھے، اور یہی انصاف (کا تقاضہ بھی) ہے۔ اللہ تعالی ان سب پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

---

(53) "الجرح والتعدیل" (۴/۲۲۸)

(54) دیکھیں: "الثقات" (۶/۴۰۴) اور "سیر أعلام النبلاء" (۷/۳۰۳)

(55) دیکھیں: "تھذیب الکمال" (۳/۱۲۷-۱۲۹) سوانح رقم: (۴۵۹)

(56) "ھدی الساری" (ص ۵۵۲)

بارہواں وسیلہ:

"مدلس کی روایت اس وقت تک نہ قبول کرنا جب تک کہ وہ سماع کی صراحت نہ کردے"

ہمارے اسلاف کے نزدیک حدیث کو خارجی عوامل اور شائبوں سے محفوظ رکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ: وہ اس راوی کی روایت قبول نہ کرتے جو تدلیس میں مشہور ہوتا، یہاں تک کہ وہ اپنے شیخ سے اس حدیث کی سماع کی کھلے لفظوں میں وضاحت نہ کردے، مثلا یہ کہے کہ: میں نے سنا، انہوں نے ہم سے بیان کیا، یا اس طرح کے دیگر الفاظ استعمال کرے، مدلس کی روایت سے متعلق ان کا اصل منہج وطریقہ یہی ہے، جو کہ اس باب میں سب سے معتدل قول ہے، کیوں کہ مدلس جب اپنی سماع کی صراحت کردے تو اس کی تدلیس کا خوف جاتا رہتا ہے اور اگر اس کے شیخ ثقہ ہوں تو ہم اس کی روایت قبول کرتے ہیں، لیکن جب مدلس "عن" یا "أن" کہہ کر روایت کرے تو ہمیں اس روایت میں شک ہو جاتا ہے، کیوں کہ تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ: راوی اپنے اس شیخ سے جس سے احادیث سنی ہو، ایسی حدیث روایت کرے جو اس سے نہ سنی ہو، جب کہ یہ ظاہر کرے کہ اس نے یہ حدیث بھی اس سے سنی ہے، بایں طور کہ ایسے الفاظ کے ساتھ اسے روایت کرے جو (بلاواسطہ) ربط وتعلق کا تقاضہ کرتے ہیں، جیسے: "عن فلان" یا "قال فلان" اور یہ کہ: "أن فلانا قال کذا"۔

تدلیس کی مختلف قسمیں ہیں، یہاں ان اقسام کو زیر بحث لانا مناسب نہیں ہے[57]، بلکہ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارے علمائے حدیث نے ثقہ مدلس کی روایتوں کے تئیں کیا منہج ورویہ اختیار کیا، وہ یہ کہ کسی مقام پ ان روایتوں کو قبول کرتے اور کسی مقام پر انہیں رد کردیتے۔ ایسا صرف دین اور سید المرسلین کی سنت میں احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرتے، اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔

---

(57) التوشیح الحثیث علی مذکرۃ علم مصطلح الحدیث: (ص ٦٤)

تیرہواں وسیلہ:

"جو راوی تلقین قبول کرنے میں مشہور ہو، اس کی روایت رد کرنا"

ہمارے اسلاف کے نزدیک سنت کی حفاظت کا ایک وسیلہ یہ تھا کہ: "جو راوی تلقین قبول کرنے میں مشہور ہو اس کی روایت قبول نہ کی جائے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راوی کو کسی بات کی تلقین کی جاتی اور وہ یہ جانے بغیر کہ یہ اس کی حدیث ہے یا نہیں، اسے روایت کرنے لگتا، تو اس قسم کے راوی کی حدیث، علمائے حدیث قبول نہ کرتے، الا یہ کہ اس کے پاس ایسی کتابیں ہوں جو تبدیلی اور دخل اندازی سے محفوظ ہوں، تو ایسی صورت میں جو حدیث وہ اپنی کتاب سے روایت کرتا، وہ قبول کی جاتی، اور جو زبانی روایت کرتا اسے رد کر دیا جاتا، کیوں کہ اعتماد اس کی کتاب پر تھا، حافظہ پر نہیں، تو معلوم ہوا کہ تلقین[58] ایک شئ ہے اور محفوظ کتابیں دوسری شئ، وہ رواۃ جنہوں نے تلقین کو قبول کیا، پھر بھی علماء نے ان کی کتابوں پر اعتماد کیا، ان میں: اسحاق بن محمد بن ابی فروۃ (متوفی: ۲۲۶ھ) بھی ہیں، ابن ابی حاتم کہتے ہیں: "میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا: وہ سچے تھے، لیکن ان کی بینائی جاتی رہی، اس کے بعد بعض دفعہ انہیں تلقین کرائی جاتی اور (وہ قبول کر لیتے)، البتہ ان کی کتابیں صحیح سالم ہیں"[59]۔

اس کی وضاحت کے لئے میں ایک اور مثال ذکر کئے دیتا ہوں:

---

(58) دیکھیں: "الکفایۃ" (ص ۱۴۴)، "شرح التبصرۃ والتذکرۃ" (۱/ ۳۶۶) اور "التلقین عند المحدثین" (ص ۷۵-۷۷)

(59) "الجرح والتعدیل" (۲/ ۲۳۳)

علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے یحیی بن سعید کو فرماتے ہوئے سنا: میں اور حفص بن غیاث مکہ کے ایک شخص کے پاس تھے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ کے والد جاریہ بن ھرم ان سے حدیث نقل کر رہے ہیں، چنانچہ حفص (ان کے امتحان و آزمائش کے لئے) حدیثیں گھڑ کر ان کے سامنے پیش کرنے لگے اور کہنے لگے: آپ سے عائشہ بنت طلحہ نے عائشہ سے یہ حدیث روایت کی، (یہ سن کر) وہ بھی دہرانے لگے: مجھ سے عائشہ بنت طلحہ نے عائشہ سے یہ حدیث بیان کی۔ پھر حفص نے ان سے کہا: آپ سے القاسم بن محمد نے عائشہ سے یہ حدیث بیان کی، (یہ سن کر) وہ بھی دہرانے لگے: ہم سے القاسم نے عائشہ سے یہ حدیث بیان کی۔ پھر حفص نے کہا: آپ سے سعید بن جبیر نے ابن عباس سے اس طرح حدیث بیان کی، (یہ سن کر وہ بھی اسے) دہرانے لگے: سعید بن جبیر نے ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی، جب انہوں نے یہ کہا تو حفص بن غیاث نے جاریہ کی تختی پر اپنا ہاتھ مارا اور اس پر لکھی ہوئی حدیثیں مٹادی، جاریہ کہنے لگا: کیا تم مجھ سے جلتے ہو؟ حفص نے جواب دیا: نہیں، لیکن یہ حدیثیں جھوٹی ہیں، (علی کہتے ہیں): میں نے یحیی سے کہا: وہ کون شخص ہے؟ تو انہوں نے نام نہیں بتایا۔ میں نے ایک دن ان سے کہا: اے ابو سعید! ممکن ہے کہ اس شخص کی کچھ روایتیں میرے پاس ہوں اور میں ان (کی حقیقتِ حال) سے ناواقف ہوں، انہوں نے کہا: وہ موسی بن دینار ہیں[60]۔ یہ وہ شیخ ہیں جن کو تلقین کی گئی اور انہوں نے تلقین قبول کرلی، جس کی وجہ سے علمائے حدیث نے ان کو ضعیف قرار دیا[61]۔

---

(60) صحیح، اسے ابن حبان نے "مقدمۃ کتاب المجروحین" (حدیث نمبر: ۱۶۳) میں روایت کیا ہے، بہ تحقیق: مؤلف، نیز ابن عدی نے "کتاب الکامل" (۲۴۳۳) میں اور حاکم نے "المدخل إلی الإکلیل" (ص ۱۵۷) میں اسے روایت کیا ہے۔

(61) دیکھیں: "میزان الاعتدال" (۴/ ۲۰۴) سوانح نمبر: (۸۸۶۳)

آپ اس شخص کو جاننے کے لئے علی بن المدینی کی حرص وچاہت پر غور کیجئے، یحی سے وہ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے نام بتادیا، یحی رحمہ اللہ نے ان کو ان کا نام اس لئے نہیں بتایا تھا کہ وہ علمائے حدیث کے نزدیک معروف تھے اور انہوں نے ان کو ضعیف قرار دیا تھا، لیکن بعد میں ان کو نام بتادیا، اس لئے کہ (وہ جانتے تھے کہ) علی ایسے ہی ان کو ہر گز چھوڑنے والے نہیں، بلکہ ان کا پیچھا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ خود ان سے اس حقیقت کو جان لیں گے ، رہی بات جاریہ کی تو انہوں نے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور اسے حسد پر محمول کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی، اس پر مستزاد یہ کہ وہ ائمہ کے نزدیک ضعیف ہیں[62]۔ کیا آپ نے اس طرح کا احتیاط دیکھا ہے؟! احادیث نبویہ کی حفاظت میں علمائے کرام کے اور بھی دقیق طریقے اور باریک وسائل ہیں، اللہ تعالی ان تمام لوگوں پر رحمت کی برکھا برسائے۔

(62) دیکھیں: "میزان الاعتدال" (۱/۳۸۵) سوانح نمبر (۱۴۳۰)

چودہواں وسیلہ:

"جو راوی اپنی کتاب کی حفاظت نہ کر پائے، یا جو حدیث نہیں سنی ہو، اسے سننے کا دعوی کرے یا اس کی سماع مشکوک ہو، تو اس کی روایت رد کر دی جاتی ہے"

احادیث نبویہ کو خارجی شائبوں سے محفوظ رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ: علمائے کرام رحمہم اللہ اس راوی کی روایت رد کر دیتے جو اپنی کتاب کی حفاظت نہ کر پاتا یا جو حدیث نہ سنی ہو، اس کی سننے کا دعوی کرتا، یا اس کی سماع میں انہیں شک ہوتا۔

چنانچہ جو راوی اپنے بد دیانت کاتب سے اپنی کتاب کی حفاظت نہ کر پاتا تو ائمہ اس کی حدیث رد کر دیتے، بہ طور خاص ایسی صورت میں جبکہ اس کا اعتماد حافظہ کی بجائے اپنی کتاب پر ہو، اس وجہ سے علمائے حدیث نے جن کی حدیثیں رد کی، ان میں: سفیان بن وکیع بن الجراح بھی ہیں، کیوں کہ ان کے پاس ایک بد دیانت کاتب تھا جو ان کی حدیث میں ایسی حدیث داخل کر دیتا جو ان کی حدیث نہیں ہوتی، چنانچہ علمائے حدیث نے ان کو نصحیت کی کہ اس راوی کو دور رکھیں، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس لئے علماء نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا، جن علماء نے ان کو نصحیت کی ان میں ابو حاتم رازی رحمہ اللہ بھی ہیں، لیکن انہوں نے ان کی نصیحت قبول نہیں کی[63]۔

اسی طرح وہ راوی جس نے ایسی حدیث سننے کا دعوی کیا ہو، جو اس نے نہیں سنی ہو، علمائے حدیث نے اس کی روایت بھی رد کر دی، ان راویوں میں: حسن بن حسین بھی ہیں جو ابن دوما النِّعالی (متوفی: ۴۳۱ھ) سے مشہور

---

(63) "الجرح والتعدیل" (۴/۲۳۱-۲۳۲)

ہیں، ان کا شمار علمائے حدیث میں ہوتا تھا، ان کی کنیت ابو علی ہے، انہوں نے بہت سی حدیثیں سنی تھی، ان کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ جو حدیث نہ سنی ہو، اسے سننے کا دعوی کرے، لیکن نفس کی حرص و طمع نے ان کو اس پر آمادہ کیا، خطیب بغدادی رحمہ اللہ ان کے تعلق سے فرماتے ہیں: "ہم نے ان سے حدیث لکھی، ان کے پاس بہت سی مسموعات تھیں، البتہ انہوں نے اپنا معاملہ خراب کر لیا، بایں طور کہ ایسی احادیث کی سماع اپنی طرف منسوب کرنے لگا جو اس کی مسموعات میں نہ تھیں، خطیب نے صوری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "جب میں بغداد میں داخل ہوا تو یہ جزء (کتاب) - جزءِ شافعی - دیکھا، اس میں ابن دوما الاکبر کی سماع تو تھی، لیکن ابو علی کی سماع نہ تھی، پھر اس میں ابو علی نے اپنی سماع بھی داخل کر دی اور اپنے بھائی کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی ملا دیا"(64)۔ یہ ہے وہ کام جو ابن دوما نے کیا، جن راویوں نے اہل علم سے یہ کتاب سنی تھی، ان میں اپنا نام بھی داخل کر دیا، لیکن محدثین سے یہ جعل سازی مخفی نہیں رہی، بلکہ انہوں نے اس کا معیار پست کر دیا۔

اسی طرح جس راوی کی روایت میں علمائے حدیث کو شک ہوتا، اس کی روایت بھی رد کر دیتے، یہ جاننے کے لئے ان کے پاس مختلف طریقے اور متعدد اسالیب تھے، ایک طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کتاب میں نئ تازی تحریر دیکھتے تو اس سے ان کے دلوں میں شک پیدا ہو جاتا، بہ طور خاص جب اصل کتاب کی تحریر پرانی ہوتی، ایسی صورت میں اس راوی کی روایت رد کر دیتے جو اس میں ملوث ہوتا۔ ایسے راویوں میں درج ذیل رواۃ بھی سر فہرست ہیں:

۱-یعقوب بن حمید بن کاسب (متوفی: ۱۴۰ھ یا ۱۴۱) ، امام ابو داود نے ان کی حدیث رد کر دی اور جب زکریا الحلوانی نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا: "ہم نے اس کی "مسند" میں ایسی حدیثیں دیکھی جو ہمیں

---

(64) "تاریخ بغداد" (۸/۲۵۵-۲۵۶) سوانح نمبر (۳۷۶۵)، "میزان الاعتدال" (۱/۴۸۵) سوانح نمبر (۱۸۳۳)

عجیب لگیں، تو ہم نے اس سے اصل کتاب طلب کی، لیکن اس نے ٹال دیا، البتہ بعد میں کتاب نکال کر دکھایا، تو ہم نے دیکھا کہ اصل کتاب میں نئی تازی کتابت کے ذریعہ تبدیلی لائی گئی ہے، یہ حدیثیں مرسل تھیں، جنہیں اس نے متصل بنادیا"[65]۔

۲-محمد بن الحسن جو ابن الشمعی (متوفی: ۴۲۹) سے مشہور ہیں، اس کے تعلق سے خطیب بغدادی لکھتے ہیں: "میرے کسی ساتھی نے اس سے حدیثیں لکھی، میں نے اس سے اس کی تعریف بھی سنی، پھر میں نے اس کی کوئی کتاب دیکھی جس میں اس کی سماع نئی تازی تحریر کے ذریعہ داخل کی گئی تھی، جب کہ وہ کتاب پرانی تھی ور اس کی اپنی تھی بھی نہیں"[66]۔

بسا اوقات ایسا راوی سماع کے اس دعوی کو کتاب میں کاٹ دیتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں اس کی رسوائی نہ ہو جائے، اس کے باوجود علمائے حدیث اس کی قلعی کھولنے سے نہیں چوکتے، چنانچہ:

۳-ابو العلاء الواسطی (متوفی: ۴۳۱ھ) کا خطیب بغدادی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، اس پر غور کیجئے، اس نے خطیب سے ذکر کیا کہ اس کے پاس ابن بکیر کی ایک کتاب ہے، جس میں ایک حدیث ایسی ہے جو ابن بکیر نے ان سے سنی ہے، چنانچہ خطیب نے اس سے کتاب طلب کی جسے اس نے کئی دنوں کے بعد نکالا، خطیب کہتے ہیں: "میں نے اس کتاب میں دیکھا کہ اس میں موجود بعض محدثین کی سماع کو نئی کتابت سے کاٹا گیا ہے، جس سے مجھے یہ لگا کہ ابو العلاء نے اس سماع کو اپنی ذات سے منسوب کر لیا تھا، پھر جب اس نے کتاب میرے سامنے پیش کرنا چاہا تو اسے خدشہ ہوا کہ کہیں اس (جعلی) سماع کو اس کی طراوت اور تحریر کی تازگی کی وجہ سے میں

---

(65)"الضعفاء"(۴/۱۱۵۰) سوانح نمبر(۲۰۷۹) للعقیلی

(66)"تاریخ بغداد"(۲/۶۲۷) سوانح نمبر(۶۱۰)

بھانپ نہ لوں، چنانچہ اس نے اسے کاٹ دیا، میں نے ایسی بھی حدیثیں دیکھی جن میں اس کی سماع چاقو سے کھرچی گئی تھی یا قلم سے درست کی گئی تھی"[67]۔

اللہ تعالی ہمارے علمائے کرام پر رحم فرمائے، وہ سنت کو تمام تر خارجی عوامل اور شائبوں سے پاک وصاف رکھنے کا بے حد اہتمام کیا کرتے تھے، اللہ انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

(67) "تاریخ بغداد" (۴/ ۱۶۳) سوانح نمبر (۱۳۵۸)

پندرہواں وسیلہ:

"صحیح حدیث کی شرطیں"

حدیث کی حفاظت کا ایک وسیلہ صحیح حدیث کی شرطیں بھی ہیں، علمائے حدیث نے ہمارے نابغہ روزگار علمائے کرام کے اقوال وارشادات میں غور وفکر کیا، غور وفکر اور تجزیہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ صحیح حدیث کی کچھ شرطیں ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ ہے: جس کی سند متصل ہو، اور اسے آغاز سند سے انتہائے سند تک عادل وضابط (متدین اور متقن) راوی دوسرے عادل وضابط راوی سے نقل کرے، ساتھ ہی وہ حدیث شاذ اور معلول بھی نہ ہو۔

اس تعریف سے پانچ شرطیں اجاگر ہوتی ہیں:

۱-سند کا متصل ہونا۔

۲-راوی کا عادل (متدین) ہونا۔

۳-راوی کا حافظ ومتقن ہونا۔

۴-شاذ کی نفی۔

۵-علت کی نفی۔

اگر ان شروط میں سے ایک شرط بھی اگر مفقود ہو گی تو حدیث ضعیف قرار پائے گی[68]۔

---

(68) دیکھیں: ان شروط کی شرحیں میری کی کتاب: "التوشیح الحثیث علی مذکرۃ علم مصطلح الحدیث" (ص ۱۳-۱۴) میں۔ (مؤلف)

خاتمہ

گزشتہ صفحات میں ہمارے اسلاف کے نزدیک سنت نبویہ کی حفاظت کے جن وسائل کا ذکر ہوا، ان پر غور وفکر کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں وبیاں ہو جاتی ہے کہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کے شائبوں اور خارجی دخل اندازیوں سے محفوظ رکھنے کا وہ کس قدر شدید اہتمام اور رعایت کرتے تھے۔ وہ (حقیقی معنوں میں) سنت کے محافظ، اس کے نگہبان لشکر، اس کے چشم صافی کے نگراں و دفاعی اور ثقہ ومعتمد راویوں سے ان احادیث کو اخذ کرنے کے حریص وخواہاں تھے، چنانچہ انہوں نے ان احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اپنی کتابوں میں بھی ، صحابہ کرام نے (حدیثیں) لکھی اور انہیں یاد کیا[69]، ان سے تابعین نے حدیثیں لکھی اور یاد کیا۔ اسی طرح انہوں نے ایک ساتھ سینوں میں بھی (احادیث کو) محفوظ کیا اور کتابوں میں بھی انہیں رقم کیا۔ یہاں تک کہ ان تابعین کی یہ کتابیں دوسری اور تیسری صدی میں صحابہ کرام کے صحیفوں کے بعد تدوین حدیث کی دوسری اہم بنیاد ثابت ہوئیں[70]۔

ان کے پاس جو حدیثیں نہ تھیں، انہیں حاصل کرنے کے لئے انہوں نے دنیا بھر کا سفر کیا[71]، اور تحقیق وتثبت کے ایسے وسیلے اختیار کئے کہ انہیں بیان بھی نہیں کیا جا سکتا[72]۔ تحقیق وتثبت کے سرخیلوں میں خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی سرفہرست ہیں۔ وہ اسی راوی سے حدیث اخذ کرتے جو ثقہ راویوں سے روایت کرتا۔ ان اسلاف نے حدیث اخذ کرنے کے لئے قواعد بھی وضع کئے، راویوں کے احوال کی جانچ پرکھ

---

(69) دیکھیں: "پہلا وسیلہ"

(70) دیکھیں: "دوسرا وسیلہ"

(71) دیکھیں: "تیسرا وسیلہ"

(72) دیکھیں: "چوتھا وسیلہ"

کی اور ان کا جائزہ لیا[73]۔ بعض محدثین سے جن راویوں کی روایت میں ان کو شک ہوا، ان کے لئے تاریخِ (ولادت ووفات) کو استعمال کیا[74]، جرح وتعدیل کے قاعدے بنائے اور ان قواعد کو بہترین انداز میں بروئے عمل لایا، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنے باپ کو ضعیف ٹھہرایا تو کسی نے اپنے بھائی اور اپنے دوست کو، کیوں کہ یہ دین کا معاملہ ہے جس میں خوشامدی اور طرفداری کی کوئی گنجائش نہیں ہے[75]۔ اللہ نے ان علمائے کرام کو عللِ حدیث کا علم بھی عطا کیا، اللہ کی توفیق کے بعد اس علم سے سرفراز ہونے کی وجہ کثرت سے اس علم کی مشاقی اور ممارست ہے، بایں طور کہ انہوں نے اتنی کثرت سے اسے یاد کیا اور آپس میں اس کا تکرار ومذاکرہ کیا کہ یہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا[76]۔

انہوں نے راوی کے حفظ واتقان کو پرکھنے کے لئے مختلف اسباب ووسائل اختیار کئے[77]۔ مختلط راوی کی کون سی روایت قبول کی جائے اور کسے رد کیا جائے، اس کے لئے اصول وقیود بنائے، چنانچہ وہ ایک مقام پر اس کی روایت قبول کرتے اور دوسرے مقام پر اسے رد کردیتے ہیں، اور کبھی بغیر کسی شرط اور قید کے اسے قبول کر

---

(73) دیکھیں: "پانچواں وسیلہ"

(74) دیکھیں: "چھٹا وسیلہ"

(75) دیکھیں: "ساتواں وسیلہ"

(76) دیکھیں: "آٹھواں وسیلہ"

(77) دیکھیں: "نواں وسیلہ"

لیتے ہیں[78]۔ یہی رویہ انہوں نے مدلس راویوں کے تیئں بھی اپنایا[79] ،اور تلقین قبول کرنے والے راویوں کی روایت رد کردی[80]۔

اس راوی کی روایت بھی رد کردی جس نے اپنی کتاب کی حفاظت نہ کی اور جو حدیث نہ سنی ہو، اس کے سننے کا دعوی کیا اور جس کی روایت میں انہیں شک ہوا[81]۔ انہوں نے صحیح حدیث کے لئے شرطیں قائم کی، چنانچہ وہی حدیث قبول کرتے جس کی سند متصل ہو، بایں طور کہ اسے آغاز سند سے منتہائے سند تک عادل راوی دوسرے عادل راوی سے روایت کرتا ہو یہاں تک کہ وہ سند صحابی تک پہنچ جائے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کریں۔ ساتھ ہی وہ حدیث علت سے بھی خالی ہو۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہوتی تو وہ اس حدیث کو قبول نہ کرتے[82]۔

جو شخص ان وسائل سے واقف ہو اور ان پر غور وفکر کرے تو ان علمائے حدیث کی صحیح کردہ احادیث کی صحت اور ان کی ضعیف کردہ احادیث کے ضعف پر ان کا یقین مزید بڑھ جائے گا اور ان افواہ بازوں کی باطل کلامی کا یقین ہو جائے گا جن کے سینے سید المرسلین - صلی اللہ علیہ وسلم وعلی صحابتہ اجمعین - کی سنت سے تنگی محسوس

---

(78) دیکھیں: "دسواں وسیلہ" اور "گیارہواں وسیلہ"

(79) دیکھیں: "بارہواں وسیلہ"

(80) دیکھیں: "تیرہواں وسیلہ"

(81) دیکھیں: "چودھواں وسیلہ"

(82) دیکھیں: "پندرہواں وسیلہ"

کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی خبیث ومذموم تیر ونشتر کا ہدف اس کتاب کو بنایا جو اللہ عزوجل کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے اور پوری امت کا اس کی صحت پر اجماع ہے۔

یہ ایک نہایت ہی عجیب وغریب بات ہے کہ پراگندہ عقل وفطرت کا حامل کوئی شخص آئے اور کہنے لگے: "صحیح بخاری اور قرآن کے درمیان تعارض اور اختلاف پایا جاتا ہے" یا یہ کہے کہ: "کیا صحیح بخاری کا کوئی نسخہ ہے جو اس کے مؤلف کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہو"!! ایسا کہنے والے لوگ علمِ حدیث کا ذرا بھی علم نہیں رکھتے، اور نہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام احادیث نبویہ کی حفاظت وصیانت کا کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے، یہ ایسے لوگ ہیں جن کی فطرت میں بگاڑ پیدا ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی ہی طرح دوسرے لوگوں کی فطرت بھی بگاڑنا چاہتے ہیں، حدیث پر تنقید-بلکہ طعن وتشنیع- کی وجہ صرف ان کی خواہش نفس اور شہوت ہے، اور اس باب میں جس کا رہبر ورہنما، خواہش نفس ہو، وہ راہ مستقیم سے منحرف اور گمراہ ہے، ہمارے عزیز وبرتر پروردگار نے اپنی کتاب عزیز میں سچ فرمایا:

ترجمہ: اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

نیز فرمایا:

ترجمہ: کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کہ اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔ آخر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (سورۃ جاثیہ: ۲۳)

ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(سورۃ حج:۴۶)

ایسے لوگوں کے ساتھ عدالتی کاروائی ہونی چاہئے کیوں کہ وہ ایسے معاملات میں بے جا دخل اندازی کرتے ہیں جو ان کا میدان اختصاص نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کرنے لگے اور ڈاکٹر ہونے کا جھوٹا دعوی کرے تو اسے پکڑ کر عدالت کے حوالے کر دیا جائے گا کیوں کہ اس سے لوگوں کی صحت و تندرستی کو خطرہ ہے، اس لئے کہ وہ ایک ایسے میدان اختصاص میں دخل اندازی کرتا ہے جس کا وہ اہل نہیں، تو بھلا جو شخص دین الہی پر ظلم و تعدی کرے تاکہ لوگوں کے عقائد بگاڑ ڈالے، اور اگر یہ عقائد بگڑ جائیں تو ان کے اخلاق اور جسم بھی بگاڑ کا شکار ہو جائیں گے۔

إنما الأمم الأخلاق ما بقيت   فإن هم ذهبت أخلاقهم ذهبوا

ترجمہ: قوموں (کی حیثیت) ان کے اخلاق سے عبارت ہے، جب تک اخلاق برقرار رہیں (وہ بھی زندہ رہتی ہیں) اور جب ان کے اخلاق بگڑ جائیں تو ان کی حیثیت بھی جاتی رہتی ہے۔

چنانچہ جو شخص رشد و ہدایت کا جویا ہو، ہلاکت و گمراہی کے راستے سے بچنا چاہتا ہو، اسے چاہئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا احترام کرے، انہیں اپنا فیصل اور حاکم مانے اور ان پر عمل پیرا ہو، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

ترجمہ: ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ سنو! رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچادیناہے۔(سورۃ نور:۵۴)

نیز عزیز و برتر پروردگار کا فرمان ہے:

ترجمہ: قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔[83](سورۃ نساء:۶۵)

اللہ تعالی سے دعاہے کہ ہمارے بچے اور بچیوں کو شریروں کے شر اور فاجروں کی سازش سے محفوظ رکھے، انہیں دین کی بصیرت عطا فرمائے، دشمنانِ سنت کی سازش کو ان کے سینوں میں لوٹا دے، انہیں ذلیل وخوار کرے، ان کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا کر دے، ان کی تدبیر کو خود ان کے لئے وبال جان اور ان کی تباہی کا پیش خیمہ بنادے، یقیناوہ اس کا سزاوار اور اس پر قادر ہے۔

(83) اللہ رحم فرمائے سعید بن اسماعیل الزاهد پر، انہوں نے فرمایا: "جو شخص سنت کو قولی و عملی طور پر اپنی ذات کا حاکم وآمر بناتا ہے، اس کی زبان سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں، اور جو شخص خواہش کو اپنے نفس کی باگ ڈور سنبھال دیتا ہے اس کی زبان سے بدعت ہی بدعت نکلتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: ترجمہ: ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب تم رسول کی ماتحتی کرو۔ یہ ایک صحیح اثر ہے، میرے قلم سے اس کی تخریج دیکھئے: خطیب بغدادی کی کتاب "الجامع" میں اثر نمبر (۱۸۶) کے تحت۔(مؤلف)

(صحیح بخاری) کا مختصر تعارف

امام بخاری کی کتاب "دین کا ایک ذخیرہ اور علوم و معارف کا سرچشمہ بن چکی ہے، اپنے تنقیدی معیار اور پختہ ترتیب واسلوب کی بناپر امت کے درمیان صحیح وضعیف حدیث کی معرفت کی کسوٹی اور اس باب میں سند اور معیار کادرجہ حاصل کرچکی ہے "[84]۔

میں جلدی میں یہاں ایک مختصر تعارف پیش کرناچاہ رہاہوں جس میں اس عظیم کتاب سے متعلق کچھ روشنی ڈالوں گا، حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں لکھنے کے لئے جِلد کے جلد درکار ہیں، تاہم ہمارا مقصد جیسا کہ میں نے کہا: "اس کتاب کا مختصر تعارف پیش کرنا ہے جو کہ اس کے لئے محض مقدمہ کی مانند ہے"۔ تاکہ جن مسلمانوں کو اس کتاب کی اہمیت، اس کی علمی قدر ومنزلت اور حدیث کی کتابوں کے درمیان اس کے مقام ومرتبہ کا علم نہ ہو، وہ اس سے واقف ہوجائیں، بطور خاص ایسے ماحول میں جبکہ کچھ ایسے لوگوں کی جانب سے (اس کے خلاف) پرجوش مہم چل رہی ہے جنہیں اللہ نے بصیرت سے محروم کردیاہے، چنانچہ وہ خود بھی دین الٰہی میں شک کرتے اور دوسروں کو بھی شک میں ڈالتے ہیں، ہم اللہ سے سلامتی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

اب آپ کے سامنے مختصر تعارف پیش کیاجارہاہے۔

---

(84) واوین کے اندر جو عبارت لکھی گئی ہے وہ خطابی کی کتاب " أعلام الحدیث فی شرح صحیح البخاری "(۱/۱۰۲) کے مقدمہ سے منقول ہے۔

امام بخاری کی کتاب "الصحیح" کا سبب تالیف کیا ہے؟

اس کی تالیف میں کتنا وقت لگا اور کہاں اسے تصنیف کیا گیا؟

جہاں تک " صحیح بخاری " کے سبب تالیف کی بات ہے تو اس تعلق سے ابراہیم [85] بن معقل نسفی بخاری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "میں اسحاق بن راہویہ کے پاس تھا تو ہمارے کسی ساتھی نے کہا: کیا ہی بہتر ہو تا کہ آپ لوگ نبی ﷺ کی احادیث پر مشتمل کوئی مختصر کتاب تحریر کرتے! یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، چنانچہ میں اس کتاب-یعنی "الصحیح"- کی جمع (و تدوین) میں لگ گیا" [86]۔

اس کی دوسری وجہ بھی بیان کی جاتی ہے: محمد بن سلیمان بن فارس رحمہ اللہ نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نبی ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے جس سے آپ کا دفاع کر رہا ہوں (یعنی مکھی وغیرہ کو بھگا رہا ہوں)، میں نے کسی تعبیر بتانے والے سے اس بابت پوچھا تو اس نے کہا: تم آپ ﷺ سے جھوٹ کو دور کرو گے، چنانچہ اس سے میرے اندر الصحیح کو منظر عام پر لانے کا جذبہ پیدا ہوا" [87]۔

یہی دو اسباب ہیں جنہوں نے امام بخاری کو "الصحیح" کی تالیف پر آمادہ کیا۔

رہی بات مدتِ تالیف کی: تو مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں سولہ (١٦) کی مدت لگی۔

---

(85) ان کی سوانح "سیر أعلام النبلاء" (١٣/ ٤٩٣) میں سوانح نمبر (٢٤١) کے تحت موجود ہے۔

(86) "تاریخ بغداد" (٢/ ٣٢٦-٣٢٧)

(87) "تغلیق التعلیق" (٥/ ٤٢٠)

عبد الرحمن بن رسایَن بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں: "میں نے سولہ سال میں اپنی کتاب "الصحاح" تالیف کی، اس کتاب (کی احادیث) کو میں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا، اور اسے اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان حجت بنایا"[88]۔

ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ قول آپ سے دو صحیح سندوں سے مروی ہے[89]۔

رہی بات جائے تالیف کی تو: ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اسے "مکہ" میں تالیف فرمائی۔

عمر[90] بن محمد بن بجیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں محمد بن اسماعیل کو کہتے ہوئے سنا: "میں نے اپنی کتاب "الجامع" کو "مسجد حرام" میں تالیف کیا، میں نے اس میں کوئی بھی حدیث اس وقت تک داخل نہیں کی جب تک کہ اللہ تعالی سے استخارہ نہ کرلیا، دو رکعت ادا نہ کرلی اور اس کی صحت کا یقین نہ ہو گیا"۔

ایک قول یہ ہے کہ: اسے "بخارَی"[91] میں تصنیف کیا اور اس کے ابواب "مدینہ نبویہ" میں تحریر فرمائے[92]۔

محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میرے نزدیک پہلا قول زیادہ درست ہے"[93]۔

---

(88) "تاریخ بغداد" (۲/۳۳۱)، "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" (۲/۱۸۵) حدیث نمبر (۱۵۶۲)

(89) "تاریخ الإسلام" وفیات سنہ (۲۵۱-۲۶۰ھ) سوانح نمبر (۴۰۱)۔

(90) آپ کی سوانح کے لئے رجوع کریں: "العِبر" (۲/۱۵۵)

(91) "التلخیص شرح الجامع الصحیح" (۱/۲۱۸)، "هداية الساري لسيرة البخاري" (ص ۱۲۴)۔

(92) "أسامي من روى عنهم محمد بن اسماعيل البخاري" (ص ۵۱-۵۲)

(93) "التلخیص شرح الجامع الصحیح" (۱/۲۱۸)

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں نے کہا: ان تمام اقوال کے درمیان تطبیق دینا ممکن بلکہ متعین ہے، کیوں کہ بخاری کا یہ قول گزر چکا ہے کہ انہوں نے سولہ سال میں اپنی کتاب تصنیف کی، چنانچہ وہ "مکہ"، "مدینہ"، "بصرہ" اور بخارَی"...[94] (جہاں کہیں بھی جاتے) ہر جگہ اس کی تصنیف میں لگے رہتے۔ اسی طرح کا قول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی ہے[95]۔

(94) "التلخیص" (۲۸۱/۱)

(95) "هداية الساري لسيرة البخاري" (ص ۱۲۵)

امام بخاری نے اہل علم کے سامنے اپنی کتاب پیش کی

امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنی کتاب کی تالیف سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے اپنی کتاب اہل علم کے سامنے پیش کی، یہ اہل علم ان کے زمانے کے ائمہ تھے، جیسے علی بن المدینی، احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہ

ابو جعفر العقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب بخاری نے اپنی کتاب "الصحیح" تالیف کی تو اسے علی ابن المدینی، احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہ کے سامنے پیش کیا، انہوں نے کتاب کی تحسین کی اور اس (میں موجود) احادیث کی صحت کی شہادت دی، سوائے چار احادیث کے"۔

عقلیلی لکھتے ہیں: (جب کہ ان چار احادیث کے بارے میں بھی صحیح رائے بخاری ہی کی ہے کہ وہ احادیث صحیح ہیں)[96]۔

امام بخاری نے ایسا ہی کیا کہ جب اپنی کتاب تالیف کرلی تو اسے علمائے حدیث کی خدمت میں پیش کیا، یہ علماء ان کے زمانے کے ائمہ تھے، انہوں نے اس میں غور وفکر کیا، ان میں سے ہر ایک نے اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا، اس کے بعد اس کے صحیح ہونے کی گواہی دی، اس کے باوجود بھی ہمارے زمانے کے کچھ ایسے ناقدین جن کے پاس حدیث کا ذرا بھی علم نہیں، وہ یہ تنقید کرتے ہیں: "جب انہوں نے یہ کتاب پڑھی تو دیکھا کہ وہ قرآن سے متصادم ہے"۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں اس تعارض کا اندازہ کیسے ہوا جب کہ وہ علم حدیث سے ذرا بھی آشنا نہیں؟! کیا ان ائمہ کرام اور حفاظ حدیث سے یہ مخفی رہا جس کا یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ کتاب کا قرآن سے متصادم ہے؟! اگر کوئی پی ایچ ڈی کا مقالہ تفویض کرے، اہل فن اور متخصص حضرات اس کے تالیف کردہ

---

(96) "فہرستہ ابن خیر الاشبیلی" (ص ۱۳۲)، "ھدی الساری" (ص ۷)، "تغلیق التعلیق" (۵/ ۴۲۳)

مقالہ کا مناقشہ کریں، اس کی کاوش پر اسے داد تحسین دیں، اور منافشہ کے بعد اسے امتیازی نمبرات مع اعزاز اول سے نوازیں، ساتھ ہی مقالہ کی طباعت کی نصیحت بھی کریں۔ تو اسے تمام لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں گے، خواہ عالم ہوں یا غیر عالم، تو بھلا امام بخاری کے ہم عصر عالموں اور حافظوں کا کیا مقام ہو گا جن کے علمی مقام و مرتبہ کی شہادت امت کے تمام اہل علم نے دی ہے!

یقیناً یہ ناقد اپنے دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، میں یہ بات بغیر جانکاری کے نہیں بول رہا ہوں، بلکہ میں نے انٹرنیٹ پر ایسے ناقد کی ویڈیو دیکھی ہے جس میں وہ کہتا ہے: استاد نے اس کے بچپن میں اس سے پوچھا کہ: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کون ہے؟ اور تمہارا رسول کون ہے؟ تو اس نے کہا: البعث۔ یعنی البعث پارٹی۔ ہم ایسی گمراہی اور انحراف سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان گمراہوں کی بات سننے سے خبر دار رہیں، ورنہ یہ انہیں دین سے گمراہ کر دیں گے۔ اللہ المستعان۔

" صحیح بخاری" میں امام بخاری کی شرط

امام بخاری نے اپنی کتاب " الصحیح" میں روایت کردہ احادیث کے لئے شرط نہیں ذکر کی ہے اور نہ ہی مسلم نے ایسا کیا، بلکہ مطالعہ اور تجزیہ سے ان کے شروط کا علم ہوا۔

اسی لئے محمد بن طاہر المقدسی[97] رحمہ اللہ نے فرمایا: " آپ جان لیں کہ بخاری و مسلم اور جن علماء کا بھی ہم نے ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے کہا ہو: میں نے یہ شرط رکھی ہے کہ میں اپنی کتاب میں وہی حدیث ذکر کروں گا جو فلاں شرط پر ہو گی[98]، بلکہ ان شروط کا علم ان کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، یہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ تمام ائمہ کی شرط معلوم ہوتی ہے "[99]۔

بخاری و مسلم کے جن شروط کا علم حاصل ہوا ان میں سے یہ بھی ہے کہ: ان کی روایت کردہ حدیث سند کے اعتبار سے متصل ہو بایں طور کہ آغاز سند سے انتہائے سند تک ثقہ راوی اپنے ہی جیسے ثقہ راوی سے وہ حدیث روایت کرے، نیز اس میں شذوذ اور علت بھی نہ ہوں۔ حقیقت میں یہی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ جس حدیث کے اندر بھی یہ اوصاف یکجا ہوں اس کی صحت میں اہل حدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، جن احادیث کی صحت

---

(97) آپ حافظ، کثیر الحدیث، عالم اور کثرت سے سفر کرنے ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی ہیں جو ابن القیسرانی کے نام سے جانے جاتے ہیں، آپ کی وفات سنہ (۵۰۷ھ) میں ہوئی۔ "تذکرۃ الحفاظ" (۴ / ۱۲۴۲) حدیث نمبر (۱۰۵۳)

(98) اس سے بخاری کی یہ شرط مستثنی ہے کہ راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو اور اس شیخ سے راوی کی سماع ثابت ہو، اور مسلم کی یہ شرط بھی مستثنی ہے کہ: (راوی اور شیخ) کے درمیان معاصرت اور ان کی ملاقات کا امکان ہی کافی ہے۔ دیکھیں: " مقدمۃ صحیح مسلم " (ص ۹۱-۹۳)

(99) "شروط الأئمہ الستہ " (۳۷-۳۸) تحقیق: مؤلف

کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کی وجہ ان اوصاف میں سے کسی صفت کی کمی ہو سکتی ہے، (ایسی صفت کی کمی کہ) صحیح حدیث کے لئے اس صفت کی شرط ہونے میں ان کے درمیان اختلاف ہو[100]۔

امام بخاری نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" رکھا۔

آپ کے قول "الجامع" سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو کسی ایک خاص صنفِ حدیث کے لئے مختص نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ اس میں احکام، فضائل، ماضی اور مستقبل کے واقعات اور آداب ور قائق پر مشتمل احادیث ذکر کی، آپ کی قول "الصحیح" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو ان کے نزدیک ضعیف ہو، گرچہ اس میں کچھ ایسے کلمات ہیں جن پر (بعض) علماء نے تنقید کی اور اس کا جواب بھی دیا گیا[101]، بخاری سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے اپنی کتاب "الجامع" میں صرف صحیح حدیث ہی داخل کی ہے"[102]۔

بخاری کے قول "المسند" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا ہدف اساسی ان احادیث کی تخریج کرنا ہے جن کی سند کسی صحابی تک متصل ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کریں، خواہ وہ احادیث آپ کے قول سے متعلق ہوں، یا آپ کے فعل سے یا آپ کی تقریر سے۔ اس کے علاوہ جو احادیث بھی اس کتاب میں آئی ہیں وہ اتفاقیہ

---

(100) "صیانۃ صحیح مسلم" (ص ۱۱) معمولی تصرف کے ساتھ

(101) دیکھیں: "الإلزامات والتتبع" للدارقطنی اور "ھدی الساری" (ص ۵۰۱) باب آٹھ، کی تحقیق میں ہمارے استاد وادعی رحمہ اللہ کا مقدمہ۔

(102) اسے ابن عدی نے "مقدمۃ الکامل" میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۷۲۰)، تحقیق: مؤلف، ان کی ہی طریق سے خطیب بغدادی نے اسے "تاریخ بغداد" (۲/۳۲۷) میں روایت کیا ہے۔

طور پر آئی ہیں، نہ کہ ہدف اساسی کے طور پر[103] جیسے معلقات، "کیوں کہ کتاب کا موضوع ہے: مسند احادیث، اور معلق حدیث مسند نہیں ہوتی، اسی لئے امام دارقطنی نے جب "صحیحین" پر تنقید کی تو ان معلق احادیث پر کلام نہیں کیا جو دوسرے مقامات پر مسنداً ذکر نہیں ہوئی ہیں، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ احادیث کتاب کے موضوع میں داخل نہیں ہیں، بلکہ انہیں استئناس واستشہاد (تائید وتقویت) کے طور پر ذکر کیا گیا ہے"[104]۔

(103) دیکھیں: میری کتاب "قضاء الوطر بتلخیص کتاب توجیہ النظر" (ص ٦٥-٦٦)

(104) "ھدی الساری" (ص ٥٠١) باب آٹھ

بخاری نے تمام صحیح احادیث کو روایت کرنے کا التزام نہیں کیا ہے

کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ بخاری نے یہ شرط رکھی ہے کہ: وہ تمام صحیح احادیث روایت کریں گے، اس لئے وہ بخاری پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس شرط کو پورا نہیں کیا، جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے(105)۔ یہ گزر چکا ہے کہ ان کے کسی ساتھی نے یہ خواہش ظاہر کی کہ: "کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل کوئی مختصر کتاب تالیف کرتے"۔ ان کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، ابراہیم بن معقل النسفی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "میں نے اپنی کتاب "الجامع" میں صرف صحیح حدیث ہی نقل کی ہے، اور طوالت سے بچتے ہوئے میں نے بہت سی صحیح احادیث بھی ترک کر دیا ہے"(106)۔

حازمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مقصد حدیث پر ایک مختصر کتاب تالیف کرنا تھا، ان کا مقصد نہ تو تمام احادیث کو جمع کرنا تھا اور نہ تمام راویوں پر کلام کرنا..."(107)۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی احادیث کو بھی صحیح کہا ہے جو ان کی کتاب میں موجود نہیں، جیسے امام ترمذی ان سے احادیث کی تصحیح نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے محمد سے اس حدیث

---

(105) دیکھیں میری کتاب: "قضاء الوطر بتلخیص کتاب توجیہ النظر" (ص ٦٦)

(106) اسے ابن عدی نے "مقدمۃ الکامل" حدیث نمبر (٢٠٧) میں روایت کیا ہے، تحقیق: مؤلف، ان کے طریق سے خطیب بغدادی نے اس قول کو "تاریخ بغداد" (٢/٣٢٧) میں روایت کیا ہے۔

(107) "شروط الأئمۃ الخمسۃ" (ص ١٦١) تحقیق: مؤلف

کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہ: " صحیح ہے"، جب کہ یہ حدیث ان کی کتاب میں موجود نہیں ہوتی ہے[108]۔

اسی طرح بخاری نے یہ بھی کہا کہ: "مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد ہیں"۔ اگر ہم ان کی کتاب میں موجود احادیث کا ان کی یاد کردہ احادیث سے موازنہ کریں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو احادیث روایت کی ہیں، وہ ان کی یاد کردہ احادیث سے بہت کم ہیں۔

---

(108) دیکھیں: "اختصار علوم الحدیث" (۱/۱۰۶)

امت نے "صحیحین" کو قبول کیا

سوائے ان احادیث کے جن پر تنقید کی گئی

امت نے بخاری و مسلم کو قبول کیا سوائے ان احادیث کے جن پر بعض علماء نے تنقید کی۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں: "... بخاری یا مسلم جن احادیث کی تخریج میں منفرد ہیں، وہ احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں، کیوں کہ امت نے ان دونوں کتابوں کو اس طرح قبول جس طرح کہ ان دونوں کتابوں کی تفصیل میں نے گزشتہ صفحات میں بیان کی، سوائے ان چند کلمات (109) کے جن پر بعض حفاظ ناقدوں نے کلام کیا ہے، جیسے دار قطنی وغیرہ، اور یہ کلمات اہل فن کے نزدیک معروف ومشہور ہیں (110)۔

ابن خلدون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "امت میں اس بات پر اجماع قائم ودائم ہے کہ ان دونوں کتابوں کی احادیث مقبول اور قابل عمل ہیں، یہ اجماع سب سے عظیم حمایت اور سب سے بڑا دفاع ہے" (111)۔

میں کہتا ہوں: اہل علم نے اس تنقید کا جواب دیا ہے، ان علماء میں حافظ نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالی بھی سر فہرست ہیں، معاصر علماء میں ہمارے شیخ مقبل وادعی رحمہ اللہ بھی قابل ذکر ہیں، جنھوں نے دار قطنی کی

---

(109) یعنی احادیث

(110) "علوم الحدیث" (ص ۲۸-۲۹)

(111) "تاریخ ابن خلدون" (۱/۲۳۶) ط: "دار ابن حزم"۔ اس مسئلہ میں اجماع سے مراد محدثین، اہل صنعت اور اہل فن کا اجماع ہے، جیسے علمائے کرام، ناقدین اور حفاظ حدیث۔ یہ خاص قسم کا اجماع ہے، جس کا واقع ہونا اور اس سے واقف ہونا ممکن ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (احادیث کو) صحیح وضعیف قرار دینا اور ان کی علتیں بیان کرنا بہت کم لوگوں کا خاص فن ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اندر بلا کی ذہانت، راویوں اور اسانید کی کامل معرفت ایک ساتھ پائی جاتی ہیں، دیکھیں: عبد الکریم الوریکات کی کتاب "الوھم فی روایات مختلفی الأمصار" (ص ۶۱)، نیز دیکھیں: "إعلاء البخاری" (ص ۹۸-۹۹)

کتاب "الاِلزام والتتبع" کی تحقیق میں اس کا جواب دیا ہے، اس طرح ہمارے استاد ربیع مدخلی –حفظہ اللہ– نے بھی اپنی عمدہ تالیف "بین الاِمامین مسلم والدارقطنی" میں اس کا جواب دیا ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے اس تنقید کا جواب دینے سے پہلے لکھا ہے کہ: "اس موضوع پر گفتگو کرنے سے قبل ہر انصاف پسند شخص کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ احادیث –اگرچہ ان میں سے اکثر احادیث سے کتاب کے اصل موضوع پر کوئی حرف نہیں آتا– تاہم وہ ساری حدیثیں دوسرے طریق سے بھی مروی ہیں..."۔

آپ نے یہاں تک فرمایا کہ: "رہ گئی بات ان احادیث کی علتوں کی جو مسنداً مروی ہیں"[112]۔

حافظ رحمہ اللہ نے تنقید کردہ احادیث کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے اور اس تقسیم میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے۔ شیخ طاہر جزائری نے اس کا خلاصہ پیش کیا ہے، میں موضوع کی مناسبت سے آپ کے سامنے وہ خلاصہ پیش کر رہا ہوں، جو شخص مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ "ھدی الساری" کی طرف رجوع کرے، آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جن احادیث پر تنقید کی گئی، ان کی چھ قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جس میں راویوں کا اختلاف سلسلہ اسناد میں راوی کے اضافہ یا کمی کی شکل میں ہے۔

دوسری قسم: جس میں راویوں کا اختلاف سلسلہ اسناد میں راویوں کی تبدیلی کی شکل میں ہے۔

---

(112) "ھدی الساری" (ص ۵۰۱)

تیسری قسم: جس میں بعض راوی کسی اضافہ کی روایت میں ان راویوں سے منفرد ہو جن کی تعداد زیادہ ہو یا وہ اس سے زیادہ حافظ اور متقن ہوں۔

چوتھی قسم: جس کو روایت کرنے میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہو۔

پانچویں قسم: جس کے بعض راویوں پر وَھم کا حکم لگایا گیا ہو۔

چھٹی قسم: جس کے بعض الفاظ میں تبدیلی کے سلسلے میں اختلاف ہو، اس طرح کی بیشتر اختلاف سے (حدیث کی صحت پر) کوئی حرف نہیں آتا، کیوں کہ مختلف فیہ الفاظ کے درمیان جمع و تطبیق اور ترجیح ممکن ہے۔

البتہ دار قطنی اور دیگر ناقدین علماء نے دونوں کتابوں -صحیحین- سے اس قسم کی ساری مثالیں اکھٹا نہیں کی ہیں، جس طرح کہ انہوں نے سند میں (واقع اس قسم کے اختلاف کا) حسن وخوبی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔

" صحیح بخاری" پر ائمہ کرام نے جو تنقیدیں کی ہیں، ان کی یہ اجمالی اقسم ہیں[(113)]۔

ہمارے شیخ وادعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کتاب "التتبع" میں جو احادیث آئی ہیں، ان سب کے بارے میں حافظ دار قطنی کی رائے یہ نہیں کہ وہ علت قادحہ کی وجہ سے معلول ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کا مقصد ایسی بعض احادیث سے متنبہ کرنا ہوتا ہے جو صحت کے بلند معیار پر کھڑی نہیں اترتیں۔ اس کے بعد وہ خود ان کی صحت کا اعتراف کرتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رحمہ اللہ شہوت پسندی سے دور تھے..."[(114)]۔

---

(113) دیکھیں: "قضاء الوطر بتلخیص کتاب توجیہ النظر" (ص ۷۲-۷۶)

(114) "مقدمۃ تحقیق الإلزامات والتتبع" (ص ۱۴)

مختصر یہ کہ: جو شخص سات ہزار درہم کی جانچ پرکھ کرے اور دو چند درہموں میں ہی لغزش کھائے، جبکہ دو چند بھی خالص جعلی نہ ہوں بلکہ ان میں معمولی تبدیلی کی گئی ہو، تو واقعی وہ شخص اپنے فن کا امام اور ماہر ہو گا[115]۔

ہمارے شیخ ربیع مدخلی-حفظہ اللہ-نے اپنی کتاب مکمل کرنے کے بعد اخیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ دار قطنی نے مسلم پر جو تنقیدیں کی ہیں، ان کی مختلف قسمیں ہیں۔ جو شخص اس سے واقف ہونا چاہے وہ ہمارے شیخ کی کتاب "بین الإمامین مسلم والدارقطنی" کی طرف رجوع کرے[116]۔ کیوں کہ یہاں ہمارا مقصد تحریر "صحیح بخاری" پر گفتگو کرنا ہے، "صحیح مسلم" کا تذکرہ اتفاقاً آگیا ہے۔ جو شخص مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ میری کتاب "فتح الرب العلی بختم "صحیح مسلم" علی العلامۃ المحدث ربیع المدخلی" کا مطالعہ کرے۔

(115) "منهاج السنة النبوية" (۷/۲۱۶) لابن تیمیہ

(116) (ص ۵۴۴)

"صحیحین" کے درمیان موازنہ

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ پوری امت نے "صحیحین" کو قبول کیا اور ساتھ ہی امت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ دونوں کتابیں قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح کتاب ہیں، اور "صحیح بخاری" ان میں بھی صحیح ترین کتاب ہے۔

ابو زکریا نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح کتاب "صحیحین" بخاری و مسلم ہیں۔ ان میں بھی صحیح بخاری سب سے صحیح اور ظاہری و باطنی فوائد بھی اس میں سب سے زیادہ ہیں...، بخاری کی کتاب کو فوقیت دینے کی جو بات میں نے ذکر کی ہے، اسے جمہور اہل علم، ماہرین فن اور علم حدیث کے رمز شناسوں نے بھی راجح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جنھوں نے "صحیح بخاری" کو "صحیح مسلم" پر ترجیح دی ہے، وہ ترجیح اجمالی طور پر ایک کتاب کو دوسری کتاب پر فوقیت دینے کے قبیل سے ہے، نہ کہ ہر ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کے قبیل سے۔

اس کی طرف زرکشی رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "جنھوں نے بخاری کو مسلم پر ترجیح دیا ہے، ان کا مقصد اجمالی طور پر ایک کتاب کو دوسری کتاب پر ترجیح دینا ہے، نہ کہ ایک کتاب کی ہر ایک حدیث کو دوسری کتاب کی ہر ایک حدیث پر ترجیح دینا..."[117]۔

کیوں کہ مرجوح کتاب میں بھی ایسی حدیث ہو سکتی ہے (جو اسے دوسری کتاب پر بعض ناحیوں سے) فوقیت عطا کرے، بایں طور کہ دونوں کتابیں (کسی موضوع پر) غریب حدیث کو روایت کرنے میں متفق ہوں، البتہ مسلم

---

(117) "النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح" (۱/۲۵٦) للزرکشی

یا دوسرے مؤلف کوئی مشہور حدیث بھی (اس موضوع پر) روایت کریں، یا اس حدیث کو ایسی سند سے ذکر کریں جو اصح الاسانید (صحیح ترین سند) سے متصف ہو، اس سے مذکورہ بالا کتاب کی برتری اور فوقیت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیوں کہ اس کی برتری اجمالی طور پر ہے[118]۔

یہ بھی معلوم رہے کہ کچھ علماء نے "صحیح مسلم" کو "صحیح بخاری" پر بھی فوقیت دی ہے، ان میں حاکم کے استاد ابو علی نیساپوری بھی سر فہرست ہیں، وہ فرماتے ہیں: "روئے زمین پر علم حدیث میں مسلم بن حجاج کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں"[119]

اس قول کی طرف قرطبی بھی مائل نظر آتے ہیں، جیسا کہ "صحیح مسلم" کی تلخیص کے مقدمہ سے سمجھ میں آتا ہے، جس میں انہوں نے مختلف اہل علم کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے۔ اور "صحیح بخاری" کی تلخیص میں اس قول کو اکثر اہل مغرب کی طرف منسوب کیا ہے۔ جبکہ "صحیح بخاری" کی ترجیح و فوقیت کو اکثر اہل مشرق کی طرف منسوب کیا ہے[120]۔

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ "صحیح مسلم" کو "صحیح بخاری" پر فوقیت دینے والوں کا جو قول نقل کیا جاتا ہے، اس سے مراد "صحیح مسلم" کے سیاق وسباق کی عمدگی اور ترتیب کا حسن وجمال ہے، نہ کہ اس سے مراد (احادیث کی) صحت ہے[121]۔

---

(118) "تدریب الراوی" (۱/۱۷۱)

(119) "الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع" (۲/۱۸۵) حدیث نمبر: (۱۵۶۳)

(120) "النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح" (۱/۱۶۹) للزرکشی

(121) "بین الإمامین مسلم والدارقطنی" (ص۱۸) تالیف: ہمارے شیخ مدخلی حفظہ اللہ

بہر حال " صحیح مسلم "کو " صحیح بخاری " پر مقدم کرنے والوں کے نزدیک اس فوقیت کی وجہ وہ خصوصیات ہیں جو " صحیح مسلم " کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسا کہ " صحیح بخاری " میں بھی ایسے خصائص ہیں جو اس کے ساتھ مختص ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: "مسلم کی کتاب میں ایسی عظیم اور بیش بہا خوبیاں یکجاہیں کہ ان سے قبل کسی کی کتاب میں وہ خوبیاں جمع نہ ہو سکیں۔ بایں طور کہ بعض لوگ اسے " صحیح بخاری " پر فوقیت دیا کرتے تھے، کیوں کہ اس کے اندر طرق اور اسانید کا استیعاب، سیاق وسباق کی عمدگی اور الفاظ کو مکمل طور پر ذکر کرنے کا التزام جیسی بیش بہا خوبیاں یکجا ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے حدیث کو ٹکڑا ٹکڑا ذکر نہیں کیا اور نہ روایت بالمعنی سے کام لیا۔ ان کا یہ طریقہ بہت سے نیسا پوری مؤلفین نے بھی اختیار کیا۔ البتہ ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ پاک ہے وہ (پروردگار) جو دینے والا اور خوب نوازش کرنے والا ہے[122]۔

اللہ تعالی حافظ عبد الرحمن بن دَیبع[123] پر رحم فرمائے کہ جنہوں نے کہا:

تنازع قوم في "البخاري" و"مسلم" لديّ وقالوا: أيّ ذين تقدم

فقلت: لقد فاق "البخاري" صحة كما فاق في حسن الصناعة "مسلم"[124]

ترجمہ: میرے پاس ایک قوم "بخاری" و"مسلم" کے بارے میں باہم جھگڑ پڑی اور کہنے لگی: ان میں سے کس کو مقدم رکھا جائے۔ میں نے کہا: صحت کے اعتبار سے "بخاری" فائق ہے اور حسن ترتیب و تنسیق کے اعتبار سے "مسلم" کو فوقیت حاصل ہے۔

---

(122) "تھذیب التھذیب" (۱۰/۱۲۷)

(123) آپ عبد الرحمن بن علی بن محمد بن عمر زبیدی شافعی ہیں، آپ ابن الدَّیبَع سے مشہور ہیں، جو کہ ان کے پر دادا کا لقب ہے، جس کے معنی نوبہ زبان میں: سفید کے ہوتے ہیں۔ "الضوء اللامع " (۴/۹۴)

(124) "الغایة فی شرح الھدایة" (۱/۱۰۹) للسخاوی

مختلف ابواب میں امام بخاری کا حدیث کو دوبارہ ذکر کرنے،

اس کے الگ الگ جملے ذکر کرنے اور اختصار کے ساتھ اسے روایت کرنے کے پیچھے

جو مقاصد پنہاں ہیں، ان کی وضاحت[125]

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ: وہ ایک حدیث کو بعض اوقات [کتاب کے مختلف مقامات پر] کئی بار ذکر کرتے ہیں، البتہ ہر دفعہ جو سند ذکر کرتے ہیں، وہ سابقہ سند سے مختلف ہوتی ہے، ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل مستنبط کرتے ہیں، احادیث میں اس تبدیلی کی وجہ سے اس کی قوت مزید دوبالا ہو جاتی ہے، لیکن بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی حدیث کو ایک سے زائد مقام پر ایک ہی سند اور ایک جیسے الفاظ کے ساتھ ذکر کریں، اس قسم کے تکرار میں مختلف فوائد پوشیدہ ہوتے ہیں[126]، حافظ ابن حجر نے "ھدی الساری" میں ان جیسے چند فوائد[127] ذکر کیے ہیں، جنہیں میں یہاں ذکر کرنے جا رہا ہوں:

۱-ایک فائدہ یہ ہے کہ: وہ اس حدیث کو ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں، پھر اسی حدیث کو [دوسرے مقامات پر][128] دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ: حدیث کو غرابت کے دائرے سے باہر نکالا جا سکے، اسی طرح وہ دوسرے اور تیسرے طبقہ کے راویوں میں بھی کرتے ہیں، یہی سلسلہ

---

125 دیکھیں: "ھدی الساری" (ص ۱۶)

126 "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۶) تالیف: مبارکپوری

127 ان فوائد کو انہوں نے محمد بن طاہر المقدسی رحمہ اللہ کی کتاب "جواب المتعنت" سے نقل کیا ہے۔

128 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۶) سے ماخوذ ہے۔

اپنے مشائخ تک جاری رکھتے ہیں، چنانچہ جو اس فن کے ماہر نہیں ہیں، ان کی نگاہ اس پر پڑتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تکرار ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ وہ اضافی فائدہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

۲-اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ: اس قاعدہ کی رو سے انہوں نے کچھ احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، ان میں سے ہر ایک حدیث مختلف معانی پر مشتمل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ ہر باب میں اسے ذکر کرتے ہیں، البتہ ہر جگہ مختلف سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں[اور ہر باب میں نئے نئے مسائل مستنبط کرتے ہیں][129]۔

۳-اس قسم کے تکرار کا ایک فائدہ یہ ہے کہ: کچھ احادیث کو بعض رواۃ مکمل روایت کرتے ہیں، جبکہ انہی احادیث کو دوسرے رواۃ مختصراً روایت کرتے ہیں، چنانچہ مؤلف ان احادیث کو ہو بہو روایت کرتے ہیں تاکہ حدیث نقل کرنے والے راویوں کے تعلق سے اس شبہ کا ازالہ ہوسکے[کہ اسی حدیث کو کوئی راوی مختصراً روایت کرتا ہے اور کوئی مفصلاً، اور یہ وضاحت ہوسکے کہ راوی کا اس اختصار اور اضافہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صحابی یا تابعی خود ہی اس حدیث کو بعض رواۃ کے سامنے اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو بعض کے سامنے مکمل طور پر][130]۔

۴-اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ: بسا اوقات راویوں کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی راوی ایک حدیث روایت کرتا ہے جس میں ایک کلمہ ہوتا جو ایک (خاص) معنی پر مشتمل ہوتا ہے، اور دوسرا راوی اسی حدیث کو روایت کرتا ہے تو اسی کلمہ کی تعبیر ایسے الفاظ میں کرتا ہے جس کے معنی الگ ہوتے ہیں، چنانچہ مؤلف کے

---

129 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۶) سے ماخوذ ہے۔

130 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۶) سے ماخوذ ہے۔

نزدیک اگر اس حدیث کے سارے طرق صحیح ہوتے ہیں، تو وہ ان تمام طرق کو ذکر کرتے ہیں اور ہر لفظ کے لیے الگ باب قائم کرتے ہیں۔

۵-ایک فائدہ یہ ہے کہ: کچھ احادیث کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ مرفوع ہے یا مرسل؟ اور مؤلف کے نزدیک راجح یہ ہوتا ہے کہ وہ مرفوع ہے، اس لیے وہ اسی کو معتبر مانتے ہیں، اور مرسل روایت یہ تنبیہ کرنے کے لیے روایت کرتے ہیں کہ اس سے ان کے نزدیک مرفوع روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

٦-ایک فائدہ یہ ہے کہ: کچھ احادیث کے بارے میں موقوف اور مرفوع کا اختلاف ہوتا ہے، جبکہ ان کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے [البتہ مؤلف دونوں طرق ذکر کرتے ہیں، یہ بیان کرنے کے لیے کہ موقوف روایت سے مرفوع روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا][131]۔

۷-اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ: کچھ احادیث کی سند میں بعض رواۃ کسی راوی کا اضافہ کرتے ہیں جبکہ بعض رواۃ اس راوی کے بغیر ہی سند بیان کرتے ہیں، چنانچہ مؤلف دونوں ہی سندوں کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ثابت ہوتا ہے کہ راوی نے اس حدیث کو ایسے شیخ سے سنا جس نے اسے وہ حدیث کسی دوسرے شخص کے طریق سے روایت کی، پھر اس راوی کی ملاقات اس دوسرے شخص سے ہوئی تو اس نے بھی اسے وہ حدیث روایت کی، اسی بنا پر وہ راوی اس حدیث کو دونوں طریق سے روایت کیا کرتا تھا۔

۸-ایک فائدہ یہ ہے کہ: بسا اوقات وہ ایسی حدیث روایت کرتے ہیں جس کے رواۃ نے عن کے ساتھ (سماع کی صراحت کے بغیر) اسے روایت کیا ہو، چنانچہ اسی حدیث کو دوسرے طریق سے بھی روایت کرتے ہیں جس

---

131 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (١/ ٣٥٧) سے ماخوذ ہے۔

میں سماع کی صراحت ہوتی ہے، تاکہ ان کی یہ معروف شرط مکمل ہو سکے کہ عن کے ساتھ روایت کرنے والے راوی کی ملاقات اپنے شیخ سے ثابت ہونا ضروری ہے۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ان تمام فوائد کا تعلق ایک حدیث کو دو یا اس سے زائد مقام پر ذکر کرنے سے ہے، بعض شارحین بخاری نے ذکر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں کتاب الحج کے دوران باب قصر الخطبۃ بعرفۃ کے بعد: باب تعجیل الوقوف کا ذکر ہے، ابو عبد اللہ کہتے ہیں: "اس باب میں مالک عن ابن شہاب (سے مروی) حدیث کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک ہی حدیث کو دوبارہ ذکر کروں"۔

اس کا مطلب ہے کہ مؤلف اپنی کتاب میں بالقصد ایک ہی حدیث کو ایک ہی اسناد اور متن کے ساتھ دوبارہ نہیں روایت کرتے، اگر ایسا کبھی ہوا بھی تو بغیر قصد وارادہ کے ہو گیا، اور اس کی مثال بہت ہی کم ہے۔

رہی بات بسا اوقات حدیث کو مختلف ٹکڑوں میں ذکر کرنے کی اور بعض دفعہ اس کے بعض حصہ پر اکتفا کرنے کی (تو اس کی درج ذیل وجوہات ہیں):

- اگر حدیث عبارت مختصر ہو یا اس کا ایک حصہ دوسرے سے مربوط ہو [بایں طور کہ اگر ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا جائے تو معنی میں خلل پیدا ہو جائے][132] اور وہ دو یا اس سے زائد احکام پر مشتمل ہو، تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے مؤلف اس حدیث کو دوبارہ ذکر کرتے ہیں [البتہ اس میں اختصار نہیں کرتے اور نہ اس کے الگ الگ ٹکڑے کرتے ہیں][133] تاہم اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ایسا

---

132 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۳۵۸/۱) سے ماخوذ ہے۔

133 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۳۵۸/۱) سے ماخوذ ہے۔

کرنے سے حدیث سے متعلق کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہو، وہ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو پہلی دفعہ جس شیخ سے روایت کیا تھا، تکرار کی صورت میں ان کے بجائے کسی اور شیخ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہمارے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔

- بعض دفعہ حدیث کا مخرج تنگ پڑ جاتا ہے بایں طور کہ وہ حدیث ایک ہی طریق سے مروی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں اس کے اندر تصرف کرتے ہوئے ایک جگہ پر مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور دوسری جگہ پر معلقاً [چنانچہ کہتے ہیں: عن فلان، اس کے بعد سابقہ حدیث کی طرف صرف اشارہ کرکے گزر جاتے ہیں][134]، اور کبھی اس حدیث کو مکمل روایت کرتے ہیں اور کبھی صرف اس ٹکڑا کو جس کی ضرورت انہیں اس باب میں درپیش ہوتی ہے۔
- اگر وہ متن مختلف جملوں پر مشتمل ہو اور ایک جملہ کا دوسرے سے کوئی ربط نہ ہو [کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنے پر معنی میں خلل در آئے][135]، تو ایسی صورت میں اس کا ہر ایک جملہ مستقل باب کے تحت ذکر کرتے ہیں [اور ہر باب میں نئی سند لاتے ہیں اور اس سے نئے مسائل مستنبط کرتے ہی[136]ں] تاکہ طوالت سے بچا جاسکے، اور بسا اوقات نشاط سے کام لیتے ہوئے پوری حدیث ذکر کردیتے ہیں، حدیث کو ٹکڑوں میں ذکر کرنے کے یہ سارے طریقے کتاب میں موجود ہیں۔

---

134 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۸) سے ماخوذ ہے۔

135 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۸) سے ماخوذ ہے۔

136 قوسین کے درمیان جو جملہ لکھا گیا ہے وہ "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۸) سے ماخوذ ہے۔

رہی بات مؤلف کا حدیث کے کسی حصے کو ذکر کرنے اور اس کے دوسرے حصہ کو دوسری جگہ پر ذکر نہ کرنے کی:

- تو اکثر حالات میں ایسا نہیں ہوتا، الا یہ کہ حدیث کا محذوف حصہ صحابی پر موقوف ہو اور اسی حدیث کا کچھ حصہ مرفوع کے حکم میں ہو، اس صورت میں اس جملہ پر اکتفا کرتے ہیں جو مرفوع کے حکم میں ہے اور بقیہ حصہ کو حذف کر دیتے ہیں، کیوں کہ کتاب کے موضوع اس کا تعلق نہیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہوا جسے ہُزیل بن شُرحبیل نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "مسلمان سائبہ نہیں بناتے (بتوں کے نام پر جانور نہیں چھوڑتے)۔ دور جاہلیت میں مشرکین (بتوں کے نام پر) آزاد کیا کرتے تھے"۔ اسی طرح مؤلف نے اسے ذکر کیا ہے[137]، جبکہ وہ ایک موقوف حدیث کا مختصر حصہ ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ یوں ہے: (ایک شخص عبد اللہ بن مسعود کے پاس آیا اور عرض کیا: میں نے ایک غلام کو (بت کے نام پر) آزاد چھوڑ دیا، اسے موت آگئی، اس نے نہ کوئی مال چھوڑا اور نہ کوئی وارث، اس پر عبد اللہ نے کہا: مسلمان سائبہ نہیں بناتے (بتوں کے نام پر جانور نہیں چھوڑتے)۔ دور جاہلیت میں مشرکین (بتوں کے نام پر) آزاد کیا کرتے تھے۔ تم ہی اس کے ساز وسامان کے حقدار ہو اور اس کی وراثت تمہارے ہی لیے ہے، اگر تمہیں کسی چیز کو لینے میں حرج محسوس ہو تو ہم تمہاری طرف سے قبول کر کے اسے بیت المال میں رکھ دیں گے"۔ امام بخاری نے اس موقوف حدیث کا صرف وہی حصہ ذکر کرنے پر اکتفا کیا جو مرفوع کے حکم میں ہے، کیوں کہ اس جملہ کا عموم یہ تقاضہ کرتا ہے کہ انہوں نے یہ حکم صاحبِ شریعت سے نقل کیا ہے، بقیہ حصہ کو انہوں نے بطور اختصار (ترک) کر دیا، کیوں کہ وہ ان کی کتاب کا موضوع نہیں ہے[138]، یہ اس قبیل کی ایک باریک ترین مثال ہے[139]۔

---

137 حدیث نمبر (٦٧٥٣)

138 "ھدی الساری" (ص١٦-١٧) معمولی تصرف اور اختصار کے ساتھ

139 "ھدی الساری" (ص١٣)

اس کی وضاحت کہ امام بخاری نے احادیث کو تعلیقاً کیوں ذکر کیا ہے؟

خواہ وہ احادیث مرفوع ہوں یا موقوف

معلّق سے مراد: وہ حدیث ہے جس کی ابتدائے سند سے مؤلفِ کتاب نے ایک یا ایک سے زائد راوی حذف کر دیا ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ معلق روایتوں کو ذکر کرتے ہوئے کبھی صیغہ جزم کا استعمال کرتے ہیں جیسے (فلاں نے فرمایا)، اور کبھی صیغہ جزم کا استعمال نہیں کرتے، جیسے (ذکر کیا جاتا ہے) ، آپ کی کتاب میں جو معلق روایتیں ہیں، ان میں سے کچھ مرفوع ہیں تو کچھ موقوف۔

مرفوع معلّقات کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ احادیث جو ان کی کتاب میں دوسرے مقام پر مرفوعاً بھی وارد ہوئی ہیں، اس تعلق سے یہ بات گزر چکی ہے کہ امام بخاری حدیث کی قلت اسناد کے پیش نظر بھی معلقاً روایت کرتے ہیں، بایں طور کہ اس حدیث کی ایک سے زائد سند نہ ہو تو ایک جگہ پر اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور دوسری جگہ پر معلقاً روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: (عن فلان) اور مذکورہ حدیث کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں[140]۔ ان کا یہ قاعدہ ہے کہ: بغیر کسی فائدہ کے حدیث کو مکرر نہیں ذکر کرتے، جب حدیث کی سند ایک ہی ہو اور متن مختلف احکام پر

---

140 دیکھیں: "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/۳۵۸) اور "هدى السارى" (ص۱۸)

مشتمل ہو تو انہیں تکرار کی ضرورت در پیش ہوتی ہے اس لئے وہ طوالت سے بچتے ہوئے معلقاً روایت کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

دوسری قسم: وہ احادیث جو ان کی اس کتاب میں مرفوعاً موجود نہیں ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: وہ احادیث جنہیں بخاری نے صیغہ جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس صیغہ سے یہ فائدہ اخذ ہوتا ہے کہ جن سے معلقاً روایت کیا ہے، ان تک (اس کی سند) صحیح ہے، لیکن یہ ضرورت پھر بھی باقی رہتی ہے کہ اس حدیث کے جن رواۃ کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے حالات پر غور کیا جائے، صیغہ جزم کے ساتھ روایت کردہ اس قسم کی احادیث میں سے کچھ حدیثیں ان کی شرط کے مطابق ہیں اور کچھ ان کی شرط پر نہیں ہیں۔

- **جو احادیث ان کی شرط کے مطابق ہیں، انہیں مرفوع سند کے ساتھ ذکر نہ کرنے کی وجہ:**

- یا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے قائم مقام حدیث ذکر کر چکے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس حدیث کو مکمل سند کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کے ذہن میں سیاق موجود ہوتا ہے، وہ اس سے غافل نہیں ہوتے، چنانچہ بطور اختصار اس حدیث کو صیغہ تعلیق کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
- یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس حدیث کو مرفوعاً نہیں سنے ہوتے ہیں، یا سنے ہوتے ہیں لیکن اپنے شیخ سے اس حدیث کی سماع میں ان کو شک ہوتا ہے، یا اسے اپنے شیخ سے مجلسِ مذاکرہ میں سنے ہوتے ہیں، چنانچہ وہ بہتر نہیں سمجھتے کہ اصل حدیث کی طرح اسے روایت کریں۔ ایسا اکثر ان

احادیث میں ہوتا ہے جنہیں وہ اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔ بخاری نے اس صیغہ کا استعمال ایسی مختلف احادیث میں بھی کیا ہے جنہیں وہ اپنے مشائخ سے نہیں سنے ہوتے ہیں، چنانچہ انہیں اس صیغہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں: (فلاں نے کہا)، اس کے بعد دوسرے مقام پر اپنے اور اپنے مشائخ کے درمیان کسی واسطہ کے ساتھ ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں، لیکن یہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے جو اس صیغہ کے ساتھ ذکر کردہ تمام احادیث پر منطبق ہو سکے، اس احتمال کے باوجود اس صیغہ کے ساتھ ذکر کردہ ان کی تمام احادیث کو اس بات پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے مشائخ سے یہ حدیثیں سنی ہوئی تھی۔

اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے مشائخ سے تدلیس کرتے ہیں، کیوں کہ خطیب وغیرہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ لفظِ: (قال) کا اطلاق سماع پر نہیں ہوتا ہے، سوائے اس شخص کی جانب سے جس کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ اس کا اطلاق اسی حدیث پر کرتا ہے جو اس کی مسموعات میں ہو، اس کا تقاضہ ہے کہ جس کے بارے میں یہ عادت مشہور نہ ہو، اس کا معاملہ محتمل ہے[141]۔

اور اگر دلیل وثبوت کی بنا پر یا مطالعہ وتجزیہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنے والا مدلس ہے، تو اس پر تدلیس کا حکم لگایا جائے گا، ورنہ وہ روایت معلّق شمار کی جائے گی[142]۔

* رہی ان معلق روایتوں کی بات جو ان کی شرط پر نہیں ہیں تو بسا اوقات ان کے علاوہ (دیگر محدثین کی) شرط پر وہ روایتیں صحیح ہو سکتی ہیں، اور بسا اوقات حسن بھی ہو سکتی ہیں جو حجت کے قابل ہوں،

---

141 دیکھیں: "الکفایۃ" (ص۲۸۹)

142 "نزھۃ النظر" (ص۱۰۹)

اور بسا اوقات ضعیف بھی ہو سکتی ہیں، رواۃ میں ضعف کی بنا پر نہیں بلکہ سند میں معمولی انقطاع کی بنا پر۔

اسماعیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بسا اوقات بخاری ایسا کرتے ہیں"۔

* یا تو اس لیے کہ بخاری نے یہ حدیث اس شیخ سے ایسے راوی کے واسطہ سے سنی ہو جو ان سے روایت کرنے میں بخاری کے نزدیک ثقہ ہوں، اور وہ اس شیخ کے معروف و مشہور تلامذہ میں سے بھی ہو۔

* یا اس لیے کہ انہوں نے یہ حدیث ایسے راوی سے سنی ہو جو کتاب کی شرط پر پورا نہیں اترتا ہو، چنانچہ وہ اس حدیث سے متنبہ کرتے ہیں، بایں طور کہ اس راوی کا نام تو ذکر کرتے ہیں جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اس سے وہ حدیث روایت نہیں کرتے۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کی وجہ یہ ہے کہ: وہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو اصل حدیث کی طرح روایت نہ کریں"۔

اس حدیث کی مثال جو بخاری کے علاوہ دیگر (محدثین کی) شرط پر صحیح ہے: کتاب الطہارۃ[143] میں ان کا یہ کہنا کہ: (عائشہ فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے)۔ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور یہ ان کی صحیح میں وارد بھی ہے[144]۔

---

143 "باب تقضي الحائض المناسک کلھا إلا الطواف بالبیت" کے تحت اور "باب ھل یتتبع المؤذن فاہ ھاھنا وھاھنا؟ وھل یلتفت في الأذان؟" (۲۶۱/۱) کے تحت۔

144 حدیث نمبر (۳۷۳)

اس حدیث کی مثال جو حسن اور قابل حجت ہے: ان کا[145] یہ کہنا کہ: (بہز بن حکیم نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ: لوگوں سے زیادہ اللہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے"۔ یہ بہز کی مشہور حدیث ہے جو حسن ہے، اسے اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی مثال جو انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دوسری وجہ سے (اس کا یہ ضعف) دور ہو جاتا ہے:

کتاب "الزکاۃ" میں ان کا یہ کہنا: "طاوس نے فرمایا: معاذ بن جبل نے اہل یمن سے کہا: مجھے تم صدقہ میں جو اور جوار کی جگہ سامان و اسباب یعنی خمیصہ[146] (دھاری دار چادریں) یا دوسرے لباس دے سکتے ہو جس میں تمہارے لیے بھی آسانی ہو گی اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے بھی بہتری ہو گی"[147]۔ اس کی سند طاوس تک صحیح ہے لیکن طاوس نے معاذ سے حدیث نہیں سنی۔

معلق حدیث کی دوسری صورت: وہ حدیث جسے بخاری نے مجہول صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس سے نہ تو حدیث کی صحت ثابت ہوتی ہے اور نہ اس کی نفی ہوتی ہے، البتہ ایسی احادیث میں سے کچھ حدیثیں صحیح بھی ہیں اور کچھ ضعیف بھی ہیں۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (رہی بات ان احادیث کی جو صحیح ہیں تو ہم ان میں سے بھی ہمیں ان کی شرط پر بہت کم ہی حدیثیں ملیں، وہ اس صیغہ کا استعمال اسی وقت کرتے ہیں جب **معلق** روایت کو بالمعنی

---

145 "باب من اغتسل عریانا وحدہ..." (۱/۱۲۳) میں حدیث نمبر (۲۷۸) سے قبل۔

146 یہ لفظ مؤنث ہے لیکن حدیث میں اس لئے مذکر آیا ہے کہ اس سے مراد کپڑا ہے۔ "ارشاد الساری" (۳/۴۰)

147 "باب العرض فی الزکاۃ" (۱/۵۶۸) میں حدیث نمبر (۱۴۴۸) سے قبل۔

ذکر کرتے ہیں، جیسے کتاب "الطب"[148] میں ان کا یہ قول: "باب: سورۃ الفاتحہ سے دم کرنا۔ اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت کی ہے"، انہوں نے دوسرے مقام پر اس روایت کو پوری سند کے ساتھ (مرفوعاً) ذکر کیا ہے ، چنانچہ عبید اللہ بن الاخنس عن ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے ذکر کیا ہے کہ: (صحابہ کرام کی ایک جماعت کا گزر ایک ایسی بستی سے ہوا جس میں ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا تھا..."، مکمل حدیث ذکر کی جس میں ہے کہ انہوں نے اس شخص کو سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا، اسی میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: "کتاب اللہ سب سے زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم اس پر اجرت حاصل کرو"[149]۔ آپ نے دیکھ لیا کہ جب مؤلف نے بالمعنی روایت کیا تو صیغہ جزم کا استعمال نہیں کیا، کیوں کہ مرفوع روایت میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الفاتحہ سے دم کرنے کا ذکر کیا، بلکہ صرف اتنا ہے کہ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا، چنانچہ اس کا جواز آپ کی تقریر سے ملتا ہے۔

یہ تو ان احادیث سے متعلق بات ہوئی جنہیں ایک مقام پر مجہول صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور دوسرے مقام پر مذکورہ پوری سند کے ساتھ (مرفوعاً) ذکر کیا ہے جیسا کہ تفصیل ذکر کی گئی۔

اس طرح کی کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جنہیں صرف ایک ہی جگہ پر مجہول صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس قسم کی بعض احادیث بھی صحیح ہیں البتہ وہ بخاری کی شرط پر نہیں ہیں۔

---

148 "باب الرقی بفاتحۃ الکتاب" (۴/ ۲۸۴) میں حدیث نمبر (۵۷۳۶) سے قبل۔

149 حدیث نمبر: (۵۷۳۷)

کچھ حدیثیں حسن بھی ہیں۔

کچھ ضعیف اور غریب بھی ہیں، البتہ ان پر عمل ہے۔

اور کچھ حدیثیں ایسی ضعیف اور غریب ہیں کہ جن کا ضعف دور نہیں ہوتا... ایسی حدیثیں کتاب میں بہت ہی کم ہیں، اس قسم کی حدیث جہاں کہیں بھی آتی ہے، اسے ذکر کرنے کے بعد بخاری خود ہی اس کا ضعف بیان کر دیتے ہیں، بر خلاف اس سے ماقبل کی قسموں کے۔

اس کی مثال: کتاب الصلاۃ[150] میں ان کا یہ قول: "ابوہریرۃ سے مرفوعاً مروی ہے: امام (امامت کی) جگہ پر نفل نہ پڑھے) اور یہ صحیح نہیں ہے"۔ یہ حدیث ابوداود[151] نے بھی روایت کی ہے، اور ان کی سند میں لیث بن ابی سُلیم ہے جو کہ ضعیف راوی ہے اور اس کے شیخ کا شیخ بھی مجہول ہے۔

صحیح بخاری میں جو معلّق روایتیں مرفوعاً آئی ہیں، خواہ وہ صیغہ جزم کے ساتھ آئی ہوں یا مجہول صیغہ کے ساتھ، ان کے احکام سے متعلق یہ تفصیلات تھیں جو ذکر کر دی گئیں۔

رہی بات موقوف روایتوں کی: تو ان میں جو حدیثیں ان کی شرط پر ہوتی ہیں، انہیں صیغہ جزم کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی شرط پر نہ ہوں، اور جن احادیث کی سند میں ضعف یا انقطاع ہو، انہیں صیغہ جزم کے ساتھ روایت نہیں کرتے، الا یہ کہ اس کا ضعف دور ہو جانے والا ہو، یا تو اس لیے کہ وہ دوسری سند سے بھی مروی ہو، یا اس لیے کہ وہ قول قائل کی نسبت کے ساتھ مشہور ہو۔ امام بخاری نے بہت سی آیتوں کی تفسیر میں صحابہ و تابعین کے فتاوے اور تفاسیر پر مشتمل جو موقوف روایتیں ذکر

---

150 حدیث نمبر (۸۴۸)

151 حدیث نمبر (۶۱۶)

کی ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل میں جو قول اختیار کرتے ہیں، اس کی تقویت اور تائید ہو سکے، اس لیے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ: اس قسم کی روایتوں کے ذریعہ انہوں نے ابواب (کا عنوان) قائم کیا ہے، یا ابواب کے تحت (بطور تائید و تقویت کے) انہیں ذکر کیا ہے۔

اس کتاب کا مقصد اصلی: وہ مسند احادیث ہیں جن کے لیے مؤلف نے ابواب قائم کیے ہیں، موقوف و معلق روایات اور قرآن کریم کی آیات ثانوی طور پر ذکر کی گئی ہیں، ان کے ذریعہ ابواب (کے عناوین) قائم کیے گئے ہیں، الا یہ کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر اور حدیثیں ایک دوسرے سے جڑ کر قابل اعتبار بن جائیں تو ایسے میں کچھ روایتوں کی تفسیر ہو جاتی ہیں اور کچھ روایتیں (احادیث کی) تفسیر بن جاتی ہیں، ایسے میں کچھ روایتیں (ان احادیث کی طرح) معتبر ہو جاتی ہیں جنہیں ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے، لیکن مقصود بالذات اصل حدیثیں ہی ہوتی ہیں، اسے خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے، کیوں کہ یہ ایک اچھا تجزیہ ہے جس سے صحیح بخاری میں وارد اس قبیل کے روایتوں سے متعلق بہت سے اشکالات دور ہو جاتے ہیں، واللہ اعلم "[152]۔

---

152 معلق روایتوں سے متعلق جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں وہ تبدیلی، اختصار اور معمولی اضافہ کے ساتھ "ھدی الساری" (ص ۱۸-۲۱) سے ماخوذ ہیں۔

"صحیح بخاری" کے ابواب وعناوین

اور ان کے بعض اغراض ومقاصد

امام بخاری نے اپنی صحیح کے ابواب وعناوین میں بڑے بلند مقاصد اور نہایت دلنشیں اہداف کو پیش نظر رکھا ہے، بعض اوقات ان عناوین میں باریک فقہی نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تو کبھی حدیث کے اصول اور ایسی باریک علتیں بیان کرتے ہیں جن کا ادراک کرنے کے لیے دوررس نگاہ، درست فہم وبصیرت، غیر معمولی ذہانت اور وہبی فطانت نیز وسیع معلومات اور کثرت مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

بعض ابواب ایسے بھی ہیں جن میں نہ کوئی حدیث ہے، نہ آیت اور نہ صحابی یا تابعی کا قول، بلکہ صرف خالی جگہ ہے، گویا ان کے ذہن میں کوئی مسئلہ آیا ہو اور اس وقت اس کی دلیل ذہن میں نہ آئی ہو تو باب کے عنوان کے طور پر انہوں نے مسئلہ لکھ دیا اور یہ امید رکھی کہ اس پر غور کریں گے اور بعد میں اس کی تردید یا تائید میں جو احادیث یا آیتیں ملیں گی، انہیں ذکر کردیں گے، البتہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے قبل ہی وہ وفات پاگئے۔

" صحیح بخاری" میں ابواب کے جو عناوین ہیں، ان کی مختلف شکلیں اور متنوع اغراض ومقاصد ہیں، ہم ان میں سے چند مقاصد یہاں ذکر کررہے ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱- امام بخاری بسا اوقات ابواب کے عناوین میں ایسی حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتیں، اس کے بعد ایسی حدیثیں ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط پر صحیح ہوتی ہیں اور مذکورہ احادیث کی صحت پر بھی

دلالت کرتی ہیں، اس سے ان کا مقصد ان احادیث کی تصحیح و تائید کرنا ہوتا ہے جن کی طرف انہوں نے باب کے عنوان میں اشارہ کیا تھا[153]۔

۲-بسا اوقات باب کے عنوان میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی شرط کے مطابق صحیح احادیث سے مستنبط کیا ہو، خواہ حدیث کے صریح لفظ سے وہ مسئلہ مستنبط ہو، یا نص کے اشارہ سے، یا نص کے تقاضے سے ماخوذ ہو۔اس کے بعد اس باب میں ایسی احادیث یا آیتیں ذکر کرتے ہیں جو باب کے عنوان میں مذکور مسئلہ کی دلیل ہوتی ہیں، البتہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں کہ پورے طور پر (ان احادیث کے) وجہ استدلیل کو سمجھ سکے۔

۳- کبھی کبھار باب کے عنوان میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کے قائل مسلمانوں کی ایک سابقہ جماعت رہی ہو، اس کے بعد امام بخاری کی تحقیق اور اجتہاد کی روشنی میں اس مسئلہ کی دلیل، یا شواہد یا مرجحات سامنے آئے ہوں، ایسے مواقع پر امام بخاری باب کا عنوان یوں باندھتے ہیں: (باب من قال کذا) یا (باب من ذھب إلی کذا)۔

۴-بسا اوقات باب کے عنوان میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کے تعلق سے مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ اس باب میں ان مختلف احادیث کو ذکر کرتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے درمیان تطبیق یا ترجیح دینے اور ان سے (فقہی مسائل) مستنبط کرنے میں آسانی ہو۔

۵-بسا اوقات کسی مسئلہ میں متعارض احادیث ہوتی ہیں، اور امام بخاری کے نزدیک راجح مسئلہ یا جمع و تطبیق کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے، تو باب کے عنوان میں ان احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت بیان کر دیتے

---

153 دیکھیں: "ھدی الساری" (ص ۱۵)

ہیں، اس کے بعد ان متعارض احادیث کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ متعلم کے اندر بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق دینے کا ملکہ پیدا ہوسکے۔

٦-بسا اوقات باب کے عنوان کے مطابق مختلف حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور ان احادیث میں ان کو ایسے اہم اور ضروری فائدے نظر آتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرنا لازم ہوتا ہے، تو ایسے مقامات پر "فائدہ" یا "تنبیہ "لکھنے کے بجائے "باب" کا لفظ لکھتے ہیں، جس سے قاری کو لگتا ہے کہ نیے مسئلہ کا آغاز ہورہا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ نیا مسئلہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح دیگر مؤلفین اس قسم کے مقامات پر "قِف" (مقام تفکر)، یا "فائدہ" یا "تنبیہ " جیسے کلمات لکھتے ہیں، لیکن امام بخاری "باب" کے علاوہ کوئی دوسرا کلمہ پسند نہیں کرتے، اور اصطلاح میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، اس کی مثال یہ ہے: کتاب بدء الخلق (کتاب: اس بیان میں کہ مخلوق کی پیدائش کیونکر شروع ہوئی) میں انہوں نے عنوان قائم کیا ہے: باب قول اللہ: (وبثّ فیھا من کل دابۃ)[154]۔ اس کے بعد اس عنوان کے مطابق ایک حدیث ذکر کی، پھر فرمایا: "باب خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعَف الجبال" (باب: مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہیں جن کو چرانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھرتا رہے۔)[155]۔

٧-بسا اوقات حائے انتقال (ح) یا "وبھذا الإسناد" کے بجائے لفظ "باب " لکھتے ہیں، جیسا کہ کتاب بدء الخلق (کتاب: اس بیان میں کہ مخلوق کی پیدائش کیونکر شروع ہوئی) کے اندر "باب ذکر الملائکۃ" (باب:

154 سورۃ البقرۃ: ١٦٤

155 (٢/٧٢٤-٧٢٥) حدیث نمبر (٣٣٠٠)

فرشتوں کا ذکر)[156] میں انہوں نے باب کی تائید میں مختلف حدیثیں روایت کی، اور ابو الیبلمان کے طریق سے یہ حدیث ذکر کی: "یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار" (فرشتے آگے پیچھے زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں، کچھ فرشتے رات کے ہیں اور کچھ دن کے)[157]۔اس کے بعد لکھا: "باب"، اور یہ حدیث ذکر کی: "إذا قال أحدکم آمین، والملائکۃ فی السماء آمین..." حدیث[158]۔اس سے ان کی مراد یہ بیان کرنا تھا کہ: اسی سند سے درج ذیل حدیث بھی آئی ہے۔

۸-بسا اوقات باب کے تحت ایسی حدیث ذکر کرتے ہیں جو باب پر دلالت نہیں کرتی اور حدیث کے الفاظ کا بظاہر باب سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہوتا، لیکن اس حدیث کے مختلف طرق ہوتے ہیں، اور بعض طرق سے جو الفاظ آتے ہیں وہ باب کے عنوان پر دلالت کرتے ہیں، اس باب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی اصل (دلیل) موجود ہے، ایسا نہیں کہ اس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔

۹-بسا اوقات باب کے عنوان میں بعض لوگوں کی رائے ذکر کرتے ہیں، یا ایسی رائے ذکر کرتے ہیں جس کے قائل مستقبل میں پائے جاسکتے ہیں، البتہ آپ اس قول کو درست نہیں سمجھتے۔

۱۰-باب کے عنوان میں بسا اوقات ایسی حدیث ذکر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی، اور باب کے تحت صحیح احادیث روایت کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد اس مذہب پر یا باب کے عنوان میں مذکور حدیث پر رد کرنا ہوتا ہے۔

---

156 (۲/۶۹۰) حدیث نمبر (۳۲۰۶) کے بعد

157 حدیث نمبر (۳۲۲۳)

158 (۲/۶۹۸)

۱۱-بسا اوقات باب کا عنوان ذکر کرنے کے بعد صحابی یا تابعی کا قول ذکر کرتے ہیں، اور مرفوع حدیث نہیں لاتے، یا صرف آیتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ایسا اکثر وبیشتر اس وقت کرتے ہیں جب باب کے الفاظ کسی ایسی حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں جو بخاری کی شرط پر نہیں ہوتی، اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، لیکن وہ ان کی شرط پر صحیح نہیں ہے، لیکن وہ قابل عمل ہے۔

۱۲-بسا اوقات باب کے عنوان میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو بادی النظر میں اہم مسئلہ معلوم نہیں ہوتا، لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر وہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا: "باب قول الرجل: ماصلّینا" (باب: آدمی یوں کہے کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی تو اس طرح کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے)[159]۔بظاہر اس قول کا کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا، لیکن اگر اس پس منظر میں اس پر غور کریں کہ ایک گروہ اس قول کو ناپسند کرتا ہے تو اس باب کی اہمیت وافادیت سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس قبیل کے تمام ابواب وعناوین کے پیچھے امام بخاری کا مقصد ہے: "مصنف ابن ابی شیبۃ" اور "مصنف عبد الرزاق" کے بعض ابواب پر اعتراض کرنا، آپ ان کی عبارت ملاحظہ کریں:

(میں نے کہا: اس قسم کے اکثر وبیشتر ابواب عبد الرزاق اور ابن ابی شیبۃ کی "مصنَّفات" کے ابواب پر اعتراض اور تنبیہ سے عبارت ہیں، اس قسم کی نکتہ سنجیوں سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو دونوں کتابوں کا مطالعہ کرے اور ان میں موجود علمی خزانوں سے واقف ہو)۔

---

159 (۲۶۳/۱) حدیث نمبر (۶۴۱) سے قبل۔

۱۳-بسا اوقات باب کے عنوان میں کوئی آیت ذکر کرتے ہیں جس کی تشریح حدیث سے کرتے، یا اس کے عموم کی تخصیص کے لیے، یا اطلاق کو مقید کرنے کے لیے، یا محتملات کی تعیین کے لیے حدیث لاتے ہیں، یا باب کے تحت کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں اور آیت لانے کا مقصد اس کی تخصیص کرنا یا اس کے محتملات میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کرنا یا اس کی تشریح کرنا ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کے شواہد آیات سے اور آیت کے شواہد احادیث سے ذکر کرتے ہیں، جس کا مقصد (اس حدیث اور آیت کی) تائید کرنا یا بعض محتمَل معنی کی تعیین کرنا ہوتا ہے، چنانچہ یہ محدث کے اس قول کی مانند ہے کہ: "اس عام سے خاص مراد ہے" یا "اس خاص سے عام مراد ہے" وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی نکتہ سنجی کو سمجھنے کے لیے بلا کی ذہانت اور حاضر دماغی کی ضرورت ہے۔

۱۴-بسا اوقات آپ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے طالب علموں کو پیش آمدہ مسئلہ کے مطابق حدیث سے استدلال کرنے کی مشق کرائی جائے۔

۱۵-امام بخاری نے بہت سے ابواب کے عناوین قائم کرنے میں سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں کا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ روایتوں کے مختلف طرق سے کوئی خاص معنی مستنبط کیا جائے جس کا تعلق کسی (خاص) واقعہ سے قائم ہو سکے، فقہاء کو اس طریقہ استدلال سے تعجب ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس فن میں ہنر آزمائی نہیں کرتے، لیکن سیرت نگار اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں[160]۔

---

160 مذکورہ باتیں علامہ عبد السلام مبارکپوری کی کتاب "سیرۃ الإمام البخاری" (۱/ ۳۴۰ اور ۳۴۵) سے مستفاد ہیں، اس کا موازنہ آپ ابن جماعۃ کی کتاب: (شرح تراجم أبواب البخاری) (ص ۵-۱۲) اور محمد زکریا کاندھلوی کی کتاب (الأبواب والتراجم لصحیح البخاری) (۱/ ۱۱۶-۱۱۹) سے بھی کیجئے۔

۱۶- امام بخاری اپنی صحیح میں ایک ہی باب کو دوبار اسی صورت میں ذکر کرتے ہیں جب اس کے دو ٹکڑے ہوں (یعنی وہ دو مسائل پر مبنی ہو)، مثلا "باب آداء الخمس من الإیمان" (باب: مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا بھی ایمان سے ہے)۔ اس باب کو کتاب الایمان [161] اور کتاب الخمس [162] دونوں مقامات پر ذکر کیا ہے، اسی طرح: "باب شهادة المرضعة" (باب: اگر صرف دودھ پلانے والی عورت رضاعت کی گواہی دے)۔ اس باب کو کتاب الرضاع [163] اور کتاب الشہادات [164] دونوں مقام پر ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس قبیل کے مختلف ابواب ہیں۔

۱۷- (کسی) کلمہ کی تفسیر میں اختلاف ہو تو، ایسی صورت میں بھی باب کو مکرر ذکر کرتے ہیں، مثلا: "باب لا هامة" (الو کا منحوس ہونا محض غلط ہے)، اس باب کو کتاب الطبّ میں دو مقامات [165] پر ذکر کیا ہے، کیوں کہ ھامۃ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

---

161 (۱/۳۱) حدیث نمبر (۵۳) سے قبل

162 (۲/۲۴۱) حدیث نمبر (۳۰۹۵)

163 (۴/۴۹) حدیث نمبر (۵۱۰۴) سے قبل

164 (۲/۴۵۳) حدیث نمبر (۲۶۶۰) سے قبل

165 پہلا مقام: (۴/۲۹۰) حدیث نمبر (۵۷۵۷) سے قبل اور دوسرا مقام: (۴/۲۹۶) حدیث نمبر (۵۷۷۰) سے قبل

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ایسا نادر ہی ہوا ہے کہ انہوں نے یکساں الفاظ کے ساتھ دو حدیثوں کے لیے مقامات پر ابواب قائم کیے ہوں...) پھر فرمایا: (اس کے بعد مجھ پر عیاں ہوا کہ انہوں نے اس باب کو مکرر ذکر کر کے ھامۃ کی تفسیر میں جو اختلاف ہے، اس کی طرف اشارہ کیا ہے)[166]۔

۱۸- بسا اوقات دو مقامات پر ایک ہی آیت کے ذریعہ باب قائم کرتے ہیں جس سے غور و فکر سے کام نہ لینے والے کو لگتا ہے کہ امام بخاری سے سہواً ایسا ہو گیا ہو گا، جب کہ ایسا نہیں ہے، اس تکرار کے پیچھے بھی امام بخاری کا کوئی مقصد پنہاں ہوتا ہے جو غور و فکر سے ظاہر ہو جاتا ہے[167]۔

۱۹- بیشتر ہی سوالیہ انداز میں باب قائم کرتے ہیں، مثلاً: "باب ھل یکون کذا؟" (کیا ایسا کرنا درست ہے؟) یا "باب من قال کذا" (یہ کس کا قول ہے؟)۔ یہ اسلوب اس صورت میں اختیار کرتے ہیں جب دو احتمالوں میں سے کسی ایک کو قطعی طور پر بیان کرنا مشکل ہوتا ہے، اس کی مثال: کیا یہ حکم ثابت ہے یا نہیں، ایسی صورت میں اس حکم کو باب کا موضوع بناتے ہیں، اس سے ان کا مقصد اس حکم کو ثابت کرنا، یا اس کی نفی کرنا، یا یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ یہ حکم دونوں معانی کو محتمل ہے، بسا اوقات ایک احتمال زیادہ ظاہر و باہر ہوتا ہے، ایسے میں اس اسلوب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غور و فکر کی گنجائش باقی رہے، البتہ جس مسئلہ میں ان کو احتمال کا یقین ہوتا، اس میں وہ یہ تنبیہ کرتے ہیں کہ (اس مسئلہ میں) احتمال یا تعارض پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے توقف اختیار کرنا ضروری ہے۔

---

166 یہ انہوں نے حدیث نمبر (۵۷۵۷) کی شرح میں کہا ہے۔ (۱۶) اور (۱۷) نمبر کے تحت جو نکات ذکر کیے گئے ہیں وہ ہمارے استاذ الاساتذہ عبد الحق بن عبد الواحد ہاشمی رحمہ اللہ کی کتاب "عادات الإمام البخاری فی صحیحہ" (ص ۷۹-۸۰) سے ماخوذ ہیں۔

167 اس کی مثال کے لیے ملاحظہ کریں "کتاب الأیمان والنذور" نیز اس پر (شارحین نے) جو کلام کیا ہے، اسے بھی پڑھیں۔

۲۰-بسا اوقات باب کے عنوان میں ایسی حدیث کے الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں جو ان کی شرط پر صحیح نہیں ہوتی، ساتھ ہی کوئی اثر یا آیت بھی ذکر کرتے ہیں، گویا وہ کہہ رہے ہوں: اس باب میں کوئی حدیث میری شرط پر صحیح نہیں ہے[168]۔

دانش و بینش رکھنے والے اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ بخاری نے صحیح بخاری میں جو اسالیب اور طریقے اختیار کیے ہیں، ان کی وضاحت خود نہیں کی ہے، نہ تو اپنی صحیح میں اور نہ کسی دوسری کتاب میں، بلکہ علمائے کرام نے اپنے ذاتی مطالعہ اور بحث و جستجو کی روشنی میں یہ اسالیب اور طریقے ذکر کیے ہیں، ہر عالم اپنی فقہی بصیرت اور صحیح بخاری سے اپنے لگاؤ کے مطابق گفتگو کرتا ہے اور ہر انسان کی ذہانت و فطانت دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے[169]۔

---

168 "ھدی الساری" (ص ۱۵)

169 "فیض الباری" (۱/ ۴۰)

کیاامام بخاری نے خود اپنی کتاب "الصحیح" تالیف فرمائی

اور کیا صحیح بخاری کا کوئی قلمی نسخہ ان کی تحریر میں موجود ہے؟

یہ عجیب وغریب عبارتیں ہیں جو ہم آج کل سننے لگے ہیں، پہلے ہم اس طرح کی باتیں نہیں سنا کرتے تھے کہ: کیا امام نے خود ہی اپنی کتاب "الصحیح" تالیف فرمائی؟ اور ایسا ہے تو کیا مؤلف کی تحریر میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے؟

تعجب کی بات ہے کہ یہ عبارتیں علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کی زبان سے نہیں نکلتیں، اور یہ ممکن بھی نہیں ہے، بلکہ یہ عبارتیں ان لوگوں کی زبان سے نکلتی ہیں جو اس علم سے ذرا بھی واقف نہیں، ایسا کہنے والوں کا شمار نَو سکھوں اور راہ حق سے منحرف حق کے دشمنوں اور زبان حال ومقال سے حدیث کی خلاف ورزی کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ تعجب خیز امر یہ بھی ہے کہ اس نے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والوں نے صرف " صحیح بخاری" کو ہی اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا، جبکہ وہ حدیث کی دوسری کتابوں کے بارے میں بھی یہ بات کہہ سکتے تھے، لیکن " صحیح بخاری" کو بطور خاص نشانہ بنانے کے پیچھے ان کا کوئی خاص مقصد کارفرما ہے، ورنہ حدیث کی بہت سی کتابیں مؤلفین کے قلمی نسخہ کے ساتھ موجود نہیں ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل سے اس کتاب کی عظمت کو ختم کردیں، اور اگر ایسا ہو گیا تو حدیث کی دوسری کتابوں کو نشانہ بنانا ان کے لیے آسان ہو جائے گا، لیکن ان کا یہ مقصد پورا ہونے والا نہیں ہے، بلکہ جلد ہی میدان علم وایمان کے شہسواروں اور سنت مطہرہ کے پاسبانوں کے ہاتھوں ان کے پیش کردہ شبہات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس بے بنیاد اعتراض کا جواب حسب ذیل ہے:

۱- ان کا یہ کہنا کہ: کیا بخاری نے خود "الصحیح" کو تصنیف کیا؟ تو میرے لیے یہ ایک نہایت تعجب خیز بات ہے، ہر وہ شخص جس نے علوم حدیث کی تعلیم حاصل کی ہو، اس کا تعجب مزید بڑھ جائے گا، ہم نے پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جب اپنی کتاب تالیف کی تو اس کا سبب کیا تھا، اور کتنی مدت میں انہوں نے یہ کتاب تالیف کی، اس میں ان کو کتنا وقت لگا، اور کس جگہ انہوں نے یہ کتاب تالیف کی، یہ ساری باتیں اہل علم کے درمیان معروف ومشہور ہیں، سیکڑوں سال سے ان کی کتابوں میں مدوّن ہیں، اس سلسلے میں جو باتیں گزر چکی ہیں وہ کافی ہیں اور ان پر مزید اضافہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

۲- یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنی کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اسے اہل علم کے سامنے پیش کیا، اور یہ اہل علم اس وقت کے ائمہ تھے: علی بن المدینی، احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہ۔ ان علماء نے اس کتاب پر (امام بخاری کو) داد تحسین دیا اور اس کی صحت کی گواہی دی، اس کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے کہ: کیا بخاری نے خود اپنی کتاب "الصحیح" کی تالیف کی؟! اور ایسا کہنے والا اپنے اس بے بنیاد اعتراض کے ذریعہ "صحیح بخاری" کو منگھڑت قصے کہانیوں کی کتاب قرار دینا چاہتا ہو، افسوس ہے ان نادان وناسمجھ لوگوں پر جو چاہتے ہیں کہ مسلمان ان کی اس بے بنیاد بات کو مان لیں اور تاریخ کی کتابوں میں امین ومعتبر ائمہ کرام نے امام بخاری کی شخصیت اور ان کی بے نظیر کتاب کے بارے میں جو عمدہ ترین باتیں لکھی ہیں، ان سے صرف نظر کر لیں۔

یقیناً یہ ایک تعجب خیز بات ہے، کیوں کہ "صحیح بخاری" علمائے امت اور اساطین معرفت کے نزدیک ایک معروف ومشہور کتاب ہے، وہ ان کے سامنے موجود ہے اور انہیں اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

ان کا یہ اعتراض کہ: کیا "صحیح بخاری" کا کوئی قلمی نسخہ مؤلف کی تحریر میں موجود ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے: جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ بہت سی اسلامی کتابوں کے قلمی نسخے مؤلفین کی تحریر میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان کتابوں کے قلمی نسخے ان مؤلفیں کے شاگردوں کی تحریر میں موجود ہیں، جنہوں نے مصنف کی کتاب سے ان نسخوں کو نقل کیا، ان کا طریقہ تھا کہ جب وہ مصنف کے قلمی نسخہ سے کتاب نقل کرتے تو نقل کرنے کے بعد اپنے نسخہ کو اصل نسخہ سے حرف بہ حرف ملاتے تھے، ان کے اندر کتاب کی عبارت کو ہو بہو نقل کرنے کا اس قدر اہتمام پایا جاتا تھا کہ جب ان کے علاوہ کوئی اور اس کتاب کو مؤلف کے پاس پڑھتا تو وہ ان مجلسوں میں حاضر ہوتے تا کہ اپنے نسخہ کا موازنہ ومقابلہ مصنف کے اس نسخہ کے ساتھ کر سکیں جو مؤلف کے پاس پڑھا جاتا، یہی معاملہ " صحیح بخاری" کا بھی ہے، اس کتاب کو امام بخاری سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان میں ثقہ عالم امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف فربری بھی سر فہرست ہیں، انہوں نے اس کتاب کو اس کے مؤلف امام بخاری سے مقامِ فربر میں دو مرتبہ سنا: ایک مرتبہ سنہ (۲۴۸ھ) میں اور دوسری مرتبہ سنہ (۲۵۲ھ) میں، آپ رحمہ اللہ صحیح بخاری کے اصلی نسخہ سے واقف تھے اور یہ اصلی نسخہ ان کے پاس محفوظ تھا اور اسی سے انہوں نے اپنا نسخہ نقل کیا، یہی وجہ ہے کہ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد رحمہ اللہ جو املا کرایا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے بخاری کی کتاب اس کے اصلی نسخہ سے نقل کیا، جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھا.."[170]۔

ابن رُشید الفِہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "روئے زمین کے مشرق ومغرب میں متصل سماع کے ساتھ بخاری تک آج جو طریق (سند) مشہور ہے وہ فربری کی سند ہے، ان کی روایت پر لوگوں کا اعتماد ہے، کیوں کہ وہ کامل ہے،

[170] "التعدیل والتجریح" (۱/ ۳۱۰) للباجی

بخاری سے قریب ہے، اور اس کے رواۃ مشہور ہیں، ان کے پاس بخاری کی اصل کتاب موجود تھی، جس سے فربری کے اصحاب نے نقل کیا، یہ ان کے حق میں معاون دلیل تھی اور ان کی صداقت پر گواہ..."[171]۔

چونکہ فربری کو امام بخاری کے پاس (تلمذ کا) خصوصی شرف حاصل تھا، انہوں نے بخاری سے "الصحیح" کو بکثرت سنا تھا اور امام بخاری کا اصلی نسخہ بھی ان کے پاس موجود تھا، اس لیے ان کی روایت " صحیح بخاری" کے معتمد و معتبر نسخہ کے قائم مقام ہے[172]۔

۲-اس نسخہ -یعنی امام بخاری کے نسخہ - کے مفقود ہونے سے صحیح بخاری اور اس کی احادیث کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیوں کہ جو احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں، ان کو صرف امام بخاری نے ہی روایت نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں ان احادیث کو روایت کیا ہے[173]۔ ان کتابوں میں وہ تالیفات بھی سر فہرست ہیں جو "المستخرجات" کے نام سے مشہور ہیں، ان کتابوں کا موضوع یہ ہے کہ مصنف مثلاً بخاری کی کتاب کو بنیاد بنائیں، اور اس کی احادیث کو بخاری کی سند کے بجائے اپنی سند سے روایت کریں۔" صحیح بخاری" پر مختلف مستخرجات لکھی گئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا- مستخرج ابی محمد عبد الصمد بن محمد ابن حیّویہ البخاری (متوفی:۳۶۸)

۲- مستخرج ابی بکر الإسماعیلی (متوفی:۳۷۱ھ)

---

[171] دیکھیں: "رواۃ الصحیح" کے عنوان سے اس کتاب میں قائم ایک مبحث۔

[172] عبد القادر بن محمد جلال کی کتاب "إعلاء البخاری" ناشر: "دار سلف"، طباعت: اول (۱۴۳۹ھ)

[173] دیکھیں: "إعلاء البخاری" (ص ۶۲)

۳- مستخرج ابی احمد الغطریفی (متوفی: ۳۷۷ھ)

۴- مستخرج ابی بکر بن مردویہ الأصبہانی (متوفی: ۴۱۰ھ)

۵- مستخرج ابی نعیم الأصبہانی (متوفی: ۴۳۰ھ)

۶- "جامع الصحیحین" تالیف: ابو نعیم الحدّاد (متوفی: ۵۱۷ھ)، یہ صحیحین کی مستخرج ہے[174]۔

یہ "صحیح بخاری" پر تالیف کردہ مستخرجات کے صرف بعض نمونے ہیں، ورنہ "صحیح بخاری" پر تالیف کردہ مستخرجات کی تعداد دس سے زائد ہے، جوکہ صحیح بخاری کی احادیث کی شہرت اور کثرت طرق واسانید کی دلیل ہے، اور اس بات کا ثبوت ہے کہ دیگر محدثین بھی ان احادیث کو روایت کرنے میں امام بخاری کے شریک ہیں جو انہوں نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے[175]۔

۳- جن علماء نے "صحیح بخاری" کی بعض احادیث پر نقد کیا ہے، انہوں نے اس پہلو پر کلام نہیں کیا ہے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اس سے صحیح بخاری کی احادیث اور نصوص کی صحت پر کوئی جرح نہیں آتا[176]۔ ان کے نزدیک کتاب کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم تھا کہ اس کے مصنف محمد بن اسماعیل بخاری ہیں، یہی لوگوں کے درمیان پڑھا اور سنا جاتا اور یہی مشہور ہے[177]۔

---

[174] دیکھیں: "شرح التبصرۃ والتذکرۃ" (۱/۱۲۱-۱۲۲)، "إبراز صنعۃ الحدیث فی صحیح البخاری" (ص۵۷-۵۸) تالیف: ماہر بن یاسین الفحل

[175] "إعلاء البخاری" (ص۹۰-۹۱) تقدیم وتاخیر میں معمولی تصرف کے ساتھ۔

[176] "إعلاء البخاری" (ص۶۲)

[177] "العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ أبی القاسم" (۱/۳۰۶) تالیف: ابن الوزیر الیمانی

امید کہ ذہین قاری سابقہ باتوں کو خوب جان چکے ہوں گے، جن میں سے یہ بھی ہے کہ جن احادیث کو بخاری نے اپنی " صحیح " میں روایت کیا ہے، انہیں بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی بخاری کی سند کے بجائے دیگر سندوں سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید وہ کہہ سکتا ہے کہ: اگر معاملہ ایسا ہے تو " صحیح بخاری " کے خلاف اس پر جوش مہم اور گھناؤنی سازش کے پیچھے ان لوگوں کا کونسا مقصد کار فرما ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: دشمنان اسلام اس نکتہ کو بخوبی بھانپ گئے کہ مسلمان اپنے پرورگار کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا خوب خیال رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو ان دونوں سرچشموں سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن جب وہ انہیں کتاب الہی سے برگشتہ کرنے میں ناکام رہے تو انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کرنا مناسب سمجھا، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں، اس ناپاک مقصد کے لیے انہوں نے ایسی کتاب اختیار کی جو کتاب اللہ کے بعد سب سے عظیم اور صحیح ترین کتاب ہے، یہ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا تو اس کے بعد حدیث کی دیگر کتابوں کو مشکوک کرنا زیادہ آسان ہو گا، ان کے اس منصوبہ کو چند ایسے لوگوں نے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جو ہماری ہی جنس سے ہیں اور ہماری ہی زبان بولتے ہیں، لیکن وہ گمراہی کے دعاۃ ہیں، چنانچہ دشمنوں کے بنائے ہوئے منصوبہ پر انہوں نے عمل کرنا شروع کیا، یعنی " صحیح بخاری " پر طعن وتشنیع کرنا شروع کر دیا، لیکن ان کی کوشش ناکام ہوئی اور وہ کامیاب نہ ہو سکے، اللہ تعالی ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے، ان کی سازش کو ان کے لیے وبال جان بنائے، ان کی ہر تدبیر کو ان کے لیے تباہی کا پیش خیمہ بنائے اور انہیں آپسی خانہ جنگی میں مبتلا کر دے۔ یقیناً وہ (اللہ) دعاؤں کو خوب سننے والا ہے۔

" صحیح امام بخاری " سے متعلق مختصر تعارفی خاکہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ الحمد للہ رب العالمین۔